غلام قاسم مجاہد بلوچ

پی ایچ ڈی سکالر

ڈاکٹر محمد یوسف خشک

صدر شعبۂ اردو، شاہ عبداللطیف یونیورسٹی، خیر پور

اُردو سفر نامہ نگاری میں بلوچ اہل قلم کی خدمات

Ghulam Qasim Mujahid Bloch

Ph.D, Scholar

Dr. Muhammad Yousaf Khushk

Head of Urdu Department , Shah Abdul Latif University, Khair Pur

Boloch Writer's Contribution in Urdu Travelogue

This article introduces the Baloch writers of Pakistan who contributed a lot to the literary genre of Urdu Travelogue. The travelogues written by Baloch writers mostly cover the canvas of: Asian, European, and Latin American countries like: Turkey, Syria, Iraq, Saudi Arabia, Iran, Turkmenistan, Russia, China, Nepal, Pakistan, Germany and Cuba. The Northern areas of Pakistan, Indus River, Cholistan, Suleiman Hills, Balochistan and its coastal Areas like Gawadar have also been depicted in these travelogues. The prominent Baloch travelogue writer are : Dr. Abbas Brahimani, Prof. Abdul Qadir Ahmadani, Prof. Abdul Aziz Baloch, Prof. Hafieez u Rehaman Khan, Dil ber Hussain Maulae, Dr. Karim Bakhsh Khan Changwani, Prof. Khadim Hussain Leghari, Dr.Shah Muhammd Marree, Shahid Raheel Khan, Lieutenant Colonel Sikandar Khan Baloch, Naema Jamali, Noor Khan Muhammad Hasni etel. Seventeen Baloch Travelogue writers have written twenty three Urdu travelogues so for having about 3712 pages since 1981 to date.

''سفر'' ازل سے آدمی کے مقدر میں لکھ دیا گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے جنت سے زمین تک سفر کیا جس کا تذکرہ خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن حکیم میں کیا [۱]۔ اقبال نے بزبانِ شعر اس سفر کے بارے میں لکھا کہ:

باغِ بہشت سے مجھے اذنِ سفر دیا تھا کیوں کارِ جہاں دراز ہے اب میرا انتظار کر

مختلف انبیاء ومرسلینؑ کے اسفار، قرآن حکیم میں بیان ہوئے۔حضرت محمدؐ کا سفرِ معراج قرآن وحدیث میں مذکور ہے ۲؎ بلوچ قبائل نے ماضی قدیم میں بلوچی اشعار کی صورت سفرنگاری کے ابتدائی خدوخال روشن کیے۔انہوں نے عداوتِ یزید اور ۱۰ محرم ۶۱ ہجری/۶۸۰ء کو شہادت امام حسینؓ کے موقع پر حلب وشام سے بہ جانب شرق: کربلا، بام پور، فارس، سیستان، مکران اور ہندوستان تک کوچ کیا۔اس سفر کا تذکرہ اشعار کی صورت محفوظ کیا۔اس ضمن میں ''بلوچ شجرہ نسب کی نظم'' ہنوز یادگار ہے ۳؎ شہزادہ پنوں ہوت بلوچ نے مکران سے بھنبور تک سفر کیا تو اس کی بلوچی نظم مرقوم ہے ۴؎ بہ عین ہی پندرہویں صدی عیسوی میں سبی سے معروف رومانی بلوچ شاعر شیخ مرید حج پر گئے تو اس سفر کے اشعار بلوچی نظموں کا حصہ ہیں:

روعس حج ئی درءِیارت کھن عس گو پُر گناہ ءیں چنگل عاں ۵؎

(جا کر درِ حج (بیت اللہ) کو زیارت کروں گا۔زیارت کروں گا اپنے پُر گناہ پنجوں کے ساتھ)۔

عہدِ حاضر میں بلوچی نثری سفرنامے لکھے جا چکے ہیں۔

سفر ایک لحاظ سے ارشاد الٰہی ''سیـــــروفــــی الارض'' کی تعمیل بھی ہے ۶؎ سفرنگار اپنے سفر کے حالات، معلومات، مشاہدات اور محسوسات کو بنی نوع انسان کی بھلائی اور دلچسپی کے لیے رقم کرتے ہیں۔خاصیت کے اعتبار سے سفرنامے معلوماتی اور دل پذیر ہوتے ہیں۔فکری لحاظ سے مطالع کو نگر نگر کی سیر کراتے ہیں۔تخلیقی اعتبار سے کئی حقیقی وخیالی سفرنامے جولانی طبع کے شہکار ہوتے ہیں، جیسے: ہومر (850ق م) کا اوڈیسی (Odessy)، ملٹن (74-1608ء) کا ''Paradise Lost'' ''سوئفٹ (1667-1745ء) کا ''Gulliver's Travels'' اور علامہ اقبال کا جاوید نامہ ۷؎ کئی سفرنامے: تاریخی، جغرافیائی، طنزومزاح او ررومانی پہلو لیے ہوتے ہیں۔حقیقی سفرناموں کی دنیا میں فاہیان (399ء)، ابوالقاسم محمد بغدادی (943ء)، مارکو پولو (13231256-ء) ،ابن بطوطہ (13681304-ء) برنیئر (71-1620ء) وغیرہ کے سفرنامے معروف ہیں۔اردو سفرنامہ نگاری کے چمن کو جہاں محمد یوسف کمبل پوش (۱۸۳۷ء)، کرنل محمد خان، ابنِ انشاء، مستنصر حسین تارڑ اور دیگر نے گلزار بنایا وہاں متعدد بلوچ اہلِ قلم نے بھی اس میں خوش رنگ پھول کھلائے۔ان میں: پروفیسر حفیظ الرحمٰن خان بزدار، پروفیسر خادم حسین لغاری، دلبر حسین مولائی، رشید احمد قیصرانی، لیفٹیننٹ کرنل سکندر بلوچ، ڈاکٹر شاہ محمد مری، شاہد راحیل خان، ڈاکٹر عباس براہمانی، پروفیسر عبدالعزیز بلوچ، پروفیسر عبدالقادر احمدانی، نعیمہ جمالی، ڈاکٹر کریم بخش چنگوانی اور نور خان محمد حسنی قابلِ ذکر ہیں۔اگرچہ سفرناموں سے درست انداز میں شناسائی تو ان کے مفصل مطالعہ سے ممکن ہے تاہم ان کا طائرانہ جائزہ کسی حد تک ان کا عکس وآئینہ سامنے لاتا ہے۔درج ذیل میں بلوچ اہلِ قلم کے اُردو سفرناموں کا اجمالی تعارف پیش ہے جس سے کسی قدر ان کی علمی وادبی اہمیت اور قدروقیمت واضح ہوسکتی ہے۔

(۱) سجدہ ہر ہر گام کیا:

پروفیسر حفیظ الرحمٰن خان بزدار نے ۱۵۲ صفحات کی حامل تصنیف ''سجدہ ہر ہر گام کیا'' شائع کی جو ان کا سفرنامۂ حج ہے۔حفیظ الرحمٰن خان بن مولانا خان محمد، بستی بزدار تحصیل تونسہ شریف ضلع ڈیرہ غازی خان سے تعلق رکھتے ہیں۔یکم ستمبر ۱۹۴۰ء کو پیدا ہوئے۔۱۹۵۷ء میں

ملتان سے میٹرک کیا۔ ایف اے اور بی اے کراچی سے کیے۔ ۱۹۶۵ء میں کراچی یونی ورسٹی سے ایم اے اُردو کیا۔ ۱۹۶۸ء میں گوجرانوالہ میں لیکچرر اُردو تعینات ہوئے جہاں علی عباس جلال پوری ان کے پیش رو تھے۔ ۱۹۶۹ء تا ۱۹۷۱ء گورنمنٹ کالج ڈیرہ اسماعیل خان و مردان میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ مارچ ۱۹۷۱ء میں گورنمنٹ کالج لیہ آ گئے مگر وہاں سے ۱۹۷۵ء میں بوسن روڈ کالج ملتان تبدیل ہو آئے جہاں پچیس برس بعد ۲۰۰۰ء میں ریٹائر ہوئے۔ پھر نجی ادارہ ''پنجاب کالج ملتان'' سے وابستہ ہو کر تدریس اُردو پر مامور ہوئے اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ قیامِ کراچی کے دوران میں بابائے اُردو مولوی عبدالحق کو دیکھا اور سنا۔ پاکستان کے دیگر اساتین اُردو ادب کی محفلوں میں نہ صرف نو آموز کی حیثیت سے شامل رہے بل کہ ان سے کسب فیض کا بھی موقع ملا۔ ان میں: حفیظ جالندھری، احمد ندیم قاسمی، جوش ملیح آبادی، نیاز فتح پوری، ڈاکٹر سید عبداللہ، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ڈاکٹر شوکت سبزواری، ڈاکٹر مشفق خواجہ، رئیس امروہی، پروفیسر وقار عظیم، پروفیسر منور مرزا، احسان دانش، اشفاق احمد، جابر علی سید، ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، شان الحق حقی، ابوالخیر کشفی، پروفیسر کرار حسین، ڈاکٹر اسلم فرخی، پروفیسر جمیل اختر، تاثیر وجدان، ڈاکٹر سید اصغر علی شاہ، ڈاکٹر عبدالقیوم، حبیب اللہ غضنفر، ڈاکٹر وزیر آغا، ڈاکٹر اسلم انصاری اور ڈاکٹر عاصی کرنالی قابل ذکر ہیں۔ خدمتِ لوح و قلم کے حوالے سے ابھی ساتویں جماعت کے طالب علم تھے کہ شورش کاشمیری کے رسالہ ''چٹان'' میں بچوں کے صفحے پر ان کی پہلی کہانی شائع ہوئی۔ پہلی ادبی تحریر ۱۹۶۴ء میں ''سیارہ'' کی زینت بنی۔ دسمبر ۱۹۷۹ء میں پہلا کالم ''ملتانیات'' نوائے وقت ملتان کے ادبی صفحہ پر جلوہ گر ہوا اور پھر ''زاویے'' کے عنوان سے ادبی کالموں کا سلسلہ چل نکلا جو ہنوز جاری ہے۔ گذشتہ تیس سالوں سے ۸۰۰ کے لگ بھگ اردو کالم لکھ چکے ہیں۔ فاران اکیڈمی ملتان، قائم کر کے ذوقِ اُردو ادب رکھنے والے نوجوانوں کی ایک کھیپ تیار کی جن میں: خالد مسعود، مختار پارس، مستحسن خیال، ذوالکفل بخاری (مرحوم)، ڈاکٹر وحید الرحمٰن خان، ڈاکٹر خالد محمود سنجرانی، شعیب ودود، افتخار شفیع اور توحید الرحمٰن قابل حوالہ ہیں۔ پروفیسر حفیظ الرحمٰن خان معیاری ادب کے انشا پرداز، زود نویس کالم نگار، سفر نامہ نگار اور نقاد ہیں۔ نظری تنقید میں ان کا رنگ خوب نکھرتا ہے۔ ان کی تصنیفات: ''پاکستانی ادب کا منظر نامہ۔ خیال و نظر۔ تناظرات۔ دل و نظر کا سفینہ۔ سرائیکی نقد ادب۔ تعارف (مشترک مصنف)۔ معارفِ اردو (مشترک مصنف)۔ معارفِ ادب (مشترک مصنف)'' منظر عام پر آ کر قبولیت عام حاصل کر چکی ہیں۔ سفر نامہ ''سجدہ ہر ہر گام کیا'' کے چھ ابواب اور ۹۶ ذیلی عناوین ہیں۔ عنوان ابواب اور کچھ منتخب ذیلی عناوین درج ذیل ہیں:۔

''<u>سفرِ شوق کے سرچشمے</u>۔ مجموعہ خیال ابھی فرد فرد تھا۔ حرمین شریفین کے دل نواز تذکرے۔ جائیں گے سر کے بل۔ سفرِ شوق کی تیاریاں۔ قافلے دل کے چلے۔ حاجی کیمپ کا جہانِ آرزو۔ <u>پرواز سوئے حجاز</u>۔ جدہ، کہ اک شہر۔ <u>مکہ مکرمہ، یک شہر آرزو</u>۔ قدم سوئے حرم۔ پہلا وہ گھر خدا کا۔ <u>مناسک عمرہ و حج</u>۔ عمرہ، طواف کوئے محبت۔ آب نشاط انگیز زم زم۔ شعائر اللہ میں سعی۔ حلق، متاعِ غرور کا سودا۔ نور کی ندیاں رواں۔ اجتماع حج، اسلامی مساوات کا روشن استعارا۔ بھارت کے ایم وائی خان سے مکالمہ۔ کاروانِ بہار کی روانگی۔ ہوا خیمہ زن کاروانِ بہار۔ تسبیح کے دانوں میں جدائی۔ دعا کا وقت آ گیا۔ شبِ مزدلفہ، زمین یاں کی چہارم آسماں ہے۔ منیٰ واپسی۔ روزِ عیدِ قربان۔ طوافِ کوئے زیارت۔ رمی، یعنی شیطان کی ''تواضع''۔ الوداع، اے منیٰ!۔ ہر تمنا دل سے رخصت ہوگئی۔ زیاراتِ مقدسہ۔ غارِ ثور۔ جمرات۔ جبلِ رحمت۔ جبلِ النور۔ مولدِ رسول مقبولؐ۔ جنت المعلیٰ۔ مسجدِ جن۔ غارِ حرا، خواتین کے مشاہدات۔ تنعیم، مسجدِ عائشہؓ۔ جعرانہ۔ ذوالکفل بخاری سے ملاقات۔ ہر طرف کوچ کے نظارے ہیں۔ سوئے طیبہ رواں۔ <u>اے خنک شہرے کہ آں جا دلبر است</u>: خواب گاہِ مصطفیٰؐ کی زیارت۔ ہم

دمِ دیرینہ خالد سراجی ۔حرمِ نبویؐ کا جلال و جمال ۔زیاراتِ مدینہ،مسجدِ قبلتین،جبل احد،مسجدِ قبا،مسجدِ جمعہ،مساجدِ خندق ۔جنت البقیع ۔حرمِ نبویؐ،مقامات ۔ریاض الجنۃ،سرزمینِ آسمان پرقدم ۔اطرافِ مدینہ ۔کھجور مارکیٹ ۔کچھ وقت خالد کے بچوں کے ساتھ ۔ابوحریرہ مثیل کی داستان ۔زبانِ یارِمن عربی ۔تصویرِ کائنات کا اصل رنگ ۔الوداع!الوداع!!حرف سپاس ۔‘‘

سفرنامۂ حج ادبی پیرائے اظہار اور جذبات وعقیدت کے سمندر میں اتر کر لکھا گیا ہے۔ایک ایسی تصنیف لکھی گئی جو ہر دور کے لوگوں کو متاثر کرتی رہے گی ۔ دریائے وقت کے بہاؤ کا اس پراثر انداز ہونے کا کم ہی امکان ہے۔ بہاول پور کے خورشید ناظر کا سفرنامۂ حج ’’ہرقدم روشنی‘‘اور’’سجدہ ہر ہر گام کیا‘‘ باطنی کیفیات نگاری،منظر نگاری اور فراہمی معلومات میں تقریباً ہم پلہ نظر آتے ہیں۔تاہم حفیظ الرحمن خان کا سفرنامہ،بلوچ سفرنامہ نگاروں کے مذہبی سفرناموں کا سرتاج ہے جو پاکیزہ ماحول اور معطر ونفیس اسلوبِ عبارت کا شہکار ہے۔اُردو زبان وادب بجاطور پر ایسی منزہ تحریر کی حامل سفرناموں پر فخر کر سکتے ہیں۔ایک اقتباس بہ طور اسلوب نگارش ملاحظہ ہو:

> ’’صبحِ روشن کے جانفزا لمحات،حرم کی تمام بتیاں ابھی پوری آب وتاب سے جگمگا رہی تھیں۔وہ سامنے دیکھو کعبۃ اللہ۔خادم حسین تقریباً چیخ کر بولا۔لیکن نظریں اوپر اٹھ ہی نہیں رہی تھیں اور میں اپنے قدموں پر ساکت وصامت نظریں نیچے کیے کھڑا تھا۔... خانہ کعبہ کی تصویر ہزاروں مرتبہ دیکھی ہوگی۔اب کے جو منظر سامنے تھا اسے لفظ ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ پلک جھپکنے سے پہلے کیا مانگنا ہے،ذہن پر بہتیرا زور دیا۔جو دعائیں یاد کر کے آیا تھا سب ذہن کے کسی گوشے میں مستور تھیں۔ادھر یہ احساس بھی تھا کہ قبولیت کی گھڑی کہیں بیت نہ جائے۔کہیں آنکھ جھپک نہ جائے۔اچانک نہاں خانۂ دل سے آواز آئی۔اے اللہ تو میرے (دل) کی حالت جانتا ہے۔تیرے کرم کا معاملہ تو تیرے کرم پر چھوڑتا ہوں۔میری خطائیں معاف کر دے،میری دعائیں قبول فرما۔‘‘ص:۳۸ ۸؎

(۲) زندگی کا سفر:

پروفیسر خادم حسین لغاری نے ۳۱۲ صفحاتی تذکرۂ حیات اور اسفارِ مقدس مقاماتِ ایران وعراق وشام وعرب کو’’زندگی کا سفر‘‘ کی صورت میں رقم کیا۔خادم حسین ۷ اگست ۱۹۴۷ء کو محمد ہاشم لیغاری بلوچ کے ہاں واسو(واصف)والا موضع گدائی ڈیرہ غازی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم پرائمری سکول عیسن والا سے حاصل کی ۔۱۹۶۲ء میں گورنمنٹ مڈل سکول گدائی سے مڈل،۱۹۶۳ء میں نجی طور پر میٹرک،۱۹۶۵ء میں گورنمنٹ ڈگری کالج ڈیرہ غازی خان سے ایف اے،اور اسی کالج سے ۱۹۶۷ء میں بی اے،جب کہ ۱۹۷۰ء میں ایف سی کالج لاہور سے ایم اے اکنامکس کیا۔ جہاں بی ایس او کے صدر بھی رہے۔۱۹۷۰ء میں بینک آفیسر؛۱۹۷۲ء میں سٹیٹسٹکل اسسٹنٹ مردم شماری؛۱۹۷۴ء میں شناختی کارڈ دفتر میں رجسٹریشن انسپکٹر،بعدہٗ سٹیٹسٹکل انوسٹی گیٹر مقرر ہوئے۔یکم جون ۱۹۷۶ء کو گورنمنٹ کالج جام پور میں لیکچرر اکنامکس تعینات ہوئے۔تونسہ اور ڈیرہ غازی خان میں تدریسی خدمات انجام دیں۔۱۹۸۶ء میں ایران کا سفر کیا۔اپریل ۱۹۹۶ء میں حج کیا۔جولائی ۱۹۹۶ء میں باردیگر ایران،عراق اور شام کا سفر کیا۔۲۰۰۸ء میں از حیثیت ایسوسی ایٹ پروفیسر گورنمنٹ ڈگری کالج ڈیرہ غازی خان، ملازمت سے سبک دوش ہوئے۔انہوں نے اُردو میں چند مضامین، دیباچے اور تقاریظ رقم کیں۔تین مذہبی کتب:’’رہنمائے مبلغین۔مختصر اسلامی عقائد۔امامت وولایت اہل بیت‘‘ تصنیف کیں۔’’زندگی کا سفر‘‘ گیارہ ابواب:’’تعلیم۔ ملازمت۔تنظیمی اداروں سے وابستگی۔ملی کنونشن۔شہداء

وشخصیات۔ سچے خواب۔ چند تاثرات۔ سرزمین انقلاب ۱۹۸۶ء کا ایران۔ حج کے تاثرات۔ زیارات کا سفر۔ آخری چند سالوں کے حالات'' کی حامل ہے۔ آغاز تصنیف میں ایک صفحاتی دیباچہ''ابتدائیہ'' مصنف کا خود رقم کردہ ہے۔ تصنیف میں عرب وعجم کے مشاہداتی اسفار کے بیان میں گراں قدر معاصر وتاریخی معلومات پیش کردہ ہیں جن کے کچھ ذیلی عناوین درج ذیل ہیں:

''کوئٹہ سے قم تک۔ ایران میں حجاب۔ زیارت امام رضا۔ ایران میں شہدا کی عظمت۔ اصفہان کی تاریخی عمارات۔ ایران میں جمعہ۔ ایران کی دیواریں۔ ایران اور قرآن۔ حوزہ علمیہ قم کا نظام تعلیم وتبلیغ۔ ایران میں تفریح۔ ایران کا تعلیمی نظام۔ ایران کا سیاسی اور تنظیمی ڈھانچہ۔ عدلیہ (قوۂ قضائیہ)۔ ایرانی معیشت۔ جہاد سازندگی۔ عوام اور انقلاب۔ ایران کے مسلح انقلابی ادارے۔ جبہ کا دورہ۔ استعمار کی مجبوری۔ انقلاب کا مستقبل۔ طوافِ کعبہ۔ صفاومروہ کے درمیان سعی۔ روضۂ رسول ﷺ پر حاضری۔ حج زندگی کی عملی تربیت ہے۔ شیطان کے خلاف اعلان جنگ۔ حج سالانہ عالمی اسلامی کانفرنس۔ جنت البقیع کے مقدس مزارات۔ مدینہ میں تشیع۔ سعودی حکومت کا مستقبل۔ ڈیرہ غازی خان سے کربلا تک۔ زیارات: حضرت امام حسینؑ۔ روضہ حضرت عباسؑ علم دار۔ فرزندان امیر مسلم۔ حضرت ایوبؑ، حضرت ذوالکفلؑ، حضرت علیؑ۔ حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ۔ مسجد کوفہ کے اعمال۔ زیارات: حضرت مسلم بن عقیل۔ مختار ثقفی۔ وادی السلام۔ زیارات: حضرت ہودؑ۔ حضرت صالحؑ۔ اصحاب رسول ﷺ۔ حضرت یوشعؑ۔ حضرت سیدہ زینبؑ۔ حضرت یحیٰؑ۔ دمشق کی دوسری زیارات۔ حضرت ہابیلؑ۔ اصحاب کہف۔ شام سے واپسی۔ زیارت امام خمینی۔ زیارت کا فلسفہ اور حکمت''۔

تصنیف میں جہاں انبیاء علیہ السلام، صحابہ کبار، مشاہیر اسلام، شہدائے کربلا، اسلامی تہذیب کے شان دار آثار کے ضمن میں معلومات وچشم دید مشاہدات اُردو میں پیش کیے گئے وہاں مشرق وسطیٰ، ایران اور پاکستان کے سیاسی ومذہبی حالات پر بھی خیال آرائی ہے۔ تحریر ادبی چاشنی ورنگ آمیزی جیسی تکلفات سے بے نیاز سیدھی سادی مگر معیاری انداز میں پیش کردہ ہے۔ اسلوب نگارش کے لیے اس میں مشمولہ ایرانی نظام تعلیم کے بارے میں ایک نثر پارہ ملاحظہ ہو:

> ''پہلی جماعت سے بارہویں جماعت تک قرآن کی تعلیم لازمی قرار دے دی گئی ہے۔ میڈیکل، انجینئرنگ اور زراعت وغیرہ فنی تعلیم کے کالجوں میں بھی دینی تعلیم کا شعبہ ہے۔... وکالت کی تعلیم کے بارے میں بتایا گیا کہ وکالت کی تعلیم اب بھی ہے۔... ایران میں تمام ٹیکنیکل مضامین ہر سطح پر فارسی زبان میں پڑھائے جاتے ہیں۔ ان کی اصطلاحات کا ترجمہ کردیا جاتا ہے۔ ایران میں ایک انٹرنیشنل یونی ورسٹی قائم کی جارہی ہے جہاں دنیا کی تمام اہم اور زندہ زبانیں پڑھائی جائیں گی۔ انگریزی ایران میں کسی سطح پر لازمی مضمون نہیں ہے۔... ایران کے شہروں میں خواندگی کی شرح ۷۰% اور دیہاتوں میں ۵۰% ہے۔'' ص: ۱۸۸۔۱۸۹

تصنیف ''زندگی کا سفر''، دلبر مولائی کے سفرنامۂ ایران وعراق: ''لمحہ لمحہ عبرت'' سے ضخیم اور وسیع منظرنامہ کی حامل ہے۔ ۹

(۳) لمحہ لمحہ عبرت:

دلبر حسین مولائی نے ۱۴۴ صفحاتی تصنیف: ''لمحہ لمحہ عبرت'' میں اسفارِ مقامات مقدسہ ایران، عراق اور شام کے احوال رقم کیے۔ دلبر حسین مولائی، یکم مارچ ۱۹۶۹ء کو شیر محمد خان کھوسہ بلوچ کے ہاں نوتک محمید، مانہ احمدانی، ڈیرہ غازی خان میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۸۷ء میں پی ٹی

سی کر کے مدرس تعینات ہوئے۔ نجی طور پر ایم اے کیا۔ ۲۰۰۶ء میں ایم ایڈ کیا۔ محقق، ادیب اور شاعر ہیں۔ ان کی تصنیفات میں: ''وسیبی سخن ور (تذکرۃ الشعراء ۳ جلدیں)۔ یادگار اکرم۔ گفتار دلبر'' شامل ہیں۔

آغاز تصنیف میں تین صفحاتی پیش لفظ ''میں کیوں لکھتا ہوں؟'' مصنف کا خود نوشتہ ہے جب کہ آخر تصنیف سات تقاریظ نوشتہ از پروفیسر خادم حسین لغاری، افتخار حسین کھوسہ، ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ، غلام حسین راز بلوچ و دیگر کی پیش کردہ ہیں۔ مصنف نے اپنا سفر ڈیرہ غازی خان سے شروع کیا۔ سفرنامہ کے ۹۹ عنوانات میں سے کچھ عناوین درج ذیل ہیں:۔

''زوار محمد ﷺ و آل محمد کی نگاہ میں۔ ۲۰ جولائی ۲۰۰۸ء۔ مسافر کوفہ و شام۔ حضرت اویس قرنیؓ۔ بلوچوں کے مورث اعلیٰ۔ حضرت زکریاؑ۔ حضرت یحییٰؑ۔ حضرت بلالؓ۔ دربار کاظمین میں۔ حضرت امام موسیٰ کاظم۔ کربلا کی طرف روانگی۔ زائر کربلا۔ کربلا اور شاعری۔ قاتل کی زندگی۔ حضرت علیؓ۔ کوفہ کی طرف روانگی۔ حضرت ادریسؑ۔ حضرت آدمؑ۔ حضرت نوحؑ۔ حضرت مسلم بن عقیل۔ حضرت ہودؑ۔ امام خمینی۔ نیشاپور۔ زیارت ناموں کا خلاصہ۔ عابد ایرانی کی خدمات۔ تفتان بارڈر پر۔ کوئٹہ کی طرف۔ ریل کا سفر۔''

تصنیف میں ایران، عراق اور شام کے مقدس مقامات، زیارات، انبیاء علیہ السلام، صحابہ کرام اور شہدائے کربلا کے بارے مفید معلومات فراہم کر کے اُردو ادب میں مقاماتِ زیارت کے حوالے سے ایک معلوماتی سفرنامہ کا اضافہ کیا گیا۔ [۱۰]

(۴) ایران 1845ء، ایران 1885ء:

رشید احمد قیصرانی نے ۹۶ صفحاتی تصنیف ''ایران 1845ء، ایران 1885ء'' میں دو یورپی مستشرقین کے بہ حوالہ ایران انگریزی نوشتہ دو سفرنامے، اُردو ترجمہ و تلخیص کی صورت میں پیش کیے۔ مستشرقین میں ایرانی فوج کی تربیت پر متعین فرانسیسی جنرل جے پی فریر (Joseph Pierre Ferrier) کا سفرنامہ "Carvan Journeys" اور سویڈن کے انجینئر ہیڈن (Heidn) کا سفرنامہ "My Life as an Explorer" شامل ہیں۔ فریر کا "Travels in Persia, Afghanistan, Turkistan and Belochistan" ایک معروف سفرنامہ ہے۔

(i) ''فریر کا سفرنامہ، ۱۸۴۵ء'' اکیاون صفحات کی حد تک ترجمہ کر کے ۱۶ عناوین: ''بغداد سے روانگی۔ بے ستون۔ قافلہ سالار۔ اکبتانہ۔ سہادآباد۔ ہمدان۔ تہران۔ کاروان مشہد۔ رے۔ زیارتی قافلہ۔ سمنان۔ دامغان۔ شہرود۔ میومید۔ نیشاپور۔ مشہد'' کے تحت پیش کیا گیا۔ جنرل فریر کو، ایران سے روسی سفیر کی شکایت پر بے دخل ہونا پڑا جس نے بھیس بدل کر ایران و افغانستان سے گذر کر لاہور تک آنے کا رخت سفر باندھا۔ وہ یکم اپریل ۱۸۴۵ء کو سات سو افراد کے ایک زیارتی قافلہ کے ہم راہ یعقوبہ بغداد سے روانہ ہوا۔ شرابان، کوزل رباط، کناکی، قصر شیریں، دریائے دیالا، سرپل، کرند، ہارون آباد، ماہ دشت سے ہوتے ہوئے ۱۱ اپریل کو کرمان شاہ پہنچا۔ پھر طاق بوستان، کرخا (کراہ)، کراسو، بے ستون، سنا، کنگاور (اکبتانہ)، کوہ نہاوند، سہادآباد، ہمدان، نووران، دروازہ شاہ عبدالعظیم، تہران، ریجز (رے)، کوہ البرز، ورامین، حصار امیر، ایوان کیج، سمنان، دامغان، دیہہ ملا، مہمان روس، نائم آباد، شہرود (ماژندران اور خراسان کا مقام اتصال)، قلعہ میومید، عباس آباد، مزینون، چشمہ سرت شیشنی، زعفرونی، نیشاپور، تر گووا سے ہو کر مشہد پہنچا جہاں ایران کے حوالے سے یہ سفرنامہ اختتام پذیر ہوتا ہے۔

انہوں نے پیدل سفر کیا اور سامان خچر پر لادے رکھا۔کبھی عربی اور کبھی ایرانی لباس میں ملبوس رہا۔اس سفر میں اسے کئی صعوبتوں سے واسطہ رہا۔انہوں نے ایرانی قوم کی نفسیات ،رویوں،ثقافت ،بودوباش ، رسومات،لباس ،نشست و برخاست، معاصر ماحول اور قدیم شہروں کی تاریخ پر معتبر اظہار خیال کیا۔ایرانی قبائل میں: جاف،بلبر،سندجاوی،بختیاری ،لُر، یامود، ترکمان، گوکلان،کلبیر بند، وغیرہ کا ذکر کیا۔ناپ تول کے پیمانوں میں:فرسنگ(٦ کلومیٹر) ،لیگ (۳ میل) ،خروار (تقریباً ۹ من) مذکور کیے۔اس دور کے انتظامی عہدے :دالان دار،راہ دار،جلودار(سالارتجارتی قافلہ)،سیدقافلہ،شاترباشی (کلکٹر)، چرودار،مہمان دار وغیرہ کا تذکرہ کیا۔زائر، درویش،ملنگ،شاہی قافلہ،تجارتی قافلے،زیارتی قافلے،منازل ، قافلے کے ہمراہیوں کا مزاج ، کاروان سراؤں میں قیام کے مناظر، صحرا و جنگل میں خورد و نوش اور قافلوں پر ڈاکوؤں کی یلغار کو طلسماتی انداز میں بیان کیا۔سفرنامہ میں: ایرانی بادشاہ،سفراء،وزراء،اعمال،آبادی، رسومات،تمدن ، تاریخ،احوال آثار قدیمہ،مزارات،شہر،شاہراہیں،خانہ بہ دوش قبائل،ہتھیار: تیر کمان، نیزے،پستول،توڑے دار بندوقیں، جانور : خچر، گھوڑے، اونٹ، بھیڑیے ، لگڑبگڑ،گیدڑ،کوہستان، دریا،ندیاں،باغات،فصلیں مذکور ہوئے۔جنرل کا وژن وسیع، تجزیے صائب، گہرے اور روشن نظر آتے ہیں۔اُردو روپ میں انگریزی متن کا رواں ترجمہ کیا گیا۔ہمدان شہر کے بارے،مترجم کے دو اقتباسات ملاحظہ ہوں:

(ا)''ہمدان کے بازار بہت خوب صورت، کھلے اور پُر رونق ہیں۔بے شمار کاروان سرائیں ہیں جو ایک دوسرے کے قریب قریب ہیں۔ یہاں بہت سی مساجد اور حمام ہیں۔اس شہر کی بڑی تجارتی اہمیت ہے اور یہاں کی آبادی 50,000 ہے۔اس کی تانبے کی صنعت بہت مشہور ہے۔ہمدان کی بہت سی گلیاں اور بہت سے علاقے دروازوں کے اندر ہیں اور یہ دروازے سورج غروب ہونے سے طلوع ہونے تک بند رہتے ہیں۔یہ ایک شاندار رواج ہے اور بدنظمی کے دنوں میں یہ شہر شریف شہریوں کے لیے اطمینان کا باعث ہے۔''ص:۳۰

(۲)(مشہد)شہر میں میری آمد ایک اہم واقعہ تھا کیوں کہ یورپی اس طرف کم آتے ہیں۔اور دو گھنٹے سے بھی کم وقت میں سارے شہر میں میری آمد کی خبر پھیل گئی۔سب سے پہلا شخص جو مجھ سے ملنے آیا وہ واقعہ نگار''ملا مہدی''تھا اور یہ شخص تہران میں برطانوی وزیر کا نامہ نگار تھا۔اس کے بعد بہت سے لوگ ہندو،افغان،ازبک،ترکمان اور بلوچ مجھے ملنے آئے۔ان میں سے کچھ لوگ میرے ارادوں کی ٹوہ لگا کر اپنی حکومتوں کو جن کے وہ نمائندے تھے،اطلاعات بھیجنا چاہتے تھے۔''ص:۵۴

(ii) ''ہیڈن کا سفرنامہ، ۱۸۸۵ء'' کو پینتیس صفحات کی حد تک ترجمہ کر کے عناوین:''ایران ۱۸۸۵ء۔بغداد سے تہران براستہ کُردستان۔سفارتی وفد کے ہم راہ ایران کا سفر۔قبرستان۔دامن دماوند۔شاہ راہ کاروان۔مشہد،شہر شہدا'' کے تحت پیش کیا گیا۔ ہیڈن کو ۱۸۸۵ء میں چھ ماہ کے لیے سویڈن سے آذربائیجان کے دارالحکومت''باکو''ٹیوشن پڑھانے کا موقع میسر آیا۔بعد میں باکو سے وہ ایرانی سیاحت پر چلا آیا۔دوسری بار ۱۸۹۰ء میں وہ شاہ سویڈن کے ایک وفد کا ترجمان بن کر آیا۔اسے سویڈن اور ایرانی حکومتوں کی سرپرستی حاصل رہی۔بعدۂ تبت،چین اور ہندوستان تک سفر کیا تاہم ترجمہ صرف ایران کی حد تک ہے۔بیس سالہ ہیڈن نے سویڈن سے اپنا سفر، دخانی جہاز

کے ذریعے شروع کیا۔ وہ خلیج فن لینڈ، بالٹک، کران سٹاڈٹ، سینٹ پیٹرز برگ (صدر مقام زار)، نیوا کوائے تک دخانی جہاز پر آیا۔ پھر ریل کے ذریعے ماسکو اور مغربی یورپ سے ہو کر کوہ قفقاز اور ولاڈی واسٹک پہنچا۔ یہاں سے گھوڑا گاڑی کے ذریعے ۱۲۰ میل کا سفر کر کے ۷۰۰،۱۸ فٹ بلند پہاڑی سٹیشن ''گودار'' ، ازاں بعد قفقاز کے شہر ''طفلس'' میں وارد ہوا۔ پھر ریل کے ذریعے دریائے کورا، اُجیری سے ہو کر باکو پہنچا ۔باکو میں سات ماہ تک اپنے شاگرد کو تاریخ، جغرافیہ، زبانیں اور دیگر مضامین پڑھاتا رہا۔ باکو سے بہ ذریعہ سٹیمر کے کیسپین سے ہو کر ایرانی ''بندرگاہ انزلی'' پہنچا۔ مرداب گیا اور وہاں سے گھوڑوں کے ذریعے ''رشت'' پہنچا۔ قدوم، دریائے سفید، سلسلہ کوہ البرز، مندجل، مسرا، قزوین ، تہران، رے ، قم، کاشان، کوہ رود، پاسارگاد، تخت جمشید، تنگ اللہ اکبر، شیراز، کوہ فارستان، درہ سفید (سفید رکاب)، درہ پیرسان، درہ کوتل دختر اور بوشہر پہنچا۔ ادھر سے بغداد اور وہاں سے بہ ذریعہ اسپ ، دریائے دیالا، بعقوبہ، کرمان شاہ، طاق بوستان، کوہ الوند، ہمدان، اکبتانہ، تہران، کوہ البرز، کنار کیسپین بارفروش پہنچا۔ کرسنوواڈک گیا۔ پھر بہ ذریعہ ریل طفلس اور باطوم، پہنچا جہاں کشتی سوار ہو کر بحر اسود سے گزر کر قسطنطنیہ اور اڈریانوپل گیا۔ بہ راہ صوفیہ، سویڈن پہنچا۔ ہیڈن کا دوسرا سفر اپریل ۱۸۹۰ء میں شروع ہوا۔ وہ شاہ سویڈن چارلس دوئم (تمر باش) کے ایک سفارتی وفد کے ساتھ بہ طور مترجم شاہ ایران ناصرالدین کے پاس آیا۔ اس بار بندر انزلی سے رشت، قزوین اور دارالحکومت تہران پہنچا۔ ازاں بعد ہاشم آباد، باکو، دامن دماوند، دریائے جاجے، دریائے لار تک سفر کیا اور تہران آیا۔ تہران سے دیہہ نمک، سمنان، گوشہ، دامغان، کوہ البرز، استرآباد، بوستان، شہرود، سبزوار، نیشاپور، تیپ سلام اور مشہد پہنچا جہاں سفرنامہ اختتام پذیر ہوتا ہے۔

ہیڈن نے اپنے اسفار: دُخانی جہاز، گھوڑا گاڑی، ریل، سٹیمر اور گھوڑوں کے ذریعے کیے۔ ان کی شاہ ایران سے متعدد ملاقاتیں رہیں۔ ایک سفر میں وہ بادشاہ کے ہم رکاب رہا۔ بادشاہی خیموں کی قدیم ترتیب کا ذکر کیا۔ چشم دید احوال سفر دل کشا انداز میں رقم کیے۔ دامن کوہ دماوند کا تذکرہ ملاحظہ ہو:

> ''تہران کی گرمی اور یہاں کے ماحول سے نجات کے لیے شاہ ناصرالدین ہر سال موسم گرما میں البرز کے پہاڑوں پر جایا کرتا تھا۔ اس سال البرز کے لیے روانگی کی تاریخ ۴ جولائی مقرر ہوئی ۔ مجھے بھی ڈاکٹر ہائی بینٹ کے مہمان کی حیثیت سے ساتھ جانے کی دعوت دی گئی۔ ہمیں وہاں ایک ماہ کے لیے جانا تھا۔۔۔۔ ہمارا سفر شمال مشرقی پہاڑوں کی طرف دو دریاؤں کے طاس کی طرف شروع ہوا۔ ان میں سے ایک دریائے ''جاجے'' جو جنوب کی جانب صحرا کی طرف بہتا تھا اور دوسرا دریائے ''لار'' جو شمال کی جانب بحیرہ کیسپین کی جانب رواں تھا۔ ہمارے راستے میں دو بلند درے بھی آتے تھے ان میں سے ایک درے کی بلندی ۹۵۰۰ فٹ تھی۔ ہم پہاڑوں پر پہنچ گئے تھے اور ہمارا پُر پیچ راستہ چٹانوں، دروں، وادیوں اور چراگاہوں میں سے گذرتا تھا۔۔۔۔ اس مہم میں بارہ سو آدمی شامل تھے جن میں دو سو سپاہی تھے۔ ہم نے ایک وادی میں قیام کیا اور وہاں تین سو خیموں پر مشتمل شہر آباد ہو گیا۔ صبح کو روانہ ہونے کے بعد خواہ ہم جتنی تیزی سے بھی سفر کرتے ، اگلے پڑاؤ پر پہنچتے تو ہمارے پہنچنے سے پہلے ہمارے خیمے ہمارے لیے نصب ہو چکے ہوتے تھے۔ وہ اونٹ جن پر شاہ کے خیمے لدے ہوئے تھے انہیں بڑے اونچے سرخ آرائشی طغروں سے سجایا گیا تھا۔ ان کے صندوق سرخ کپڑے سے ڈھکے ہوئے تھے۔ اور ان سرخ کپڑوں کی جھالر سیاہ کپڑے کی بنی ہوئی تھی۔ یہ صندوق

خچروں پرلادے جاتے تھے۔شاہ کے گھوڑوں کوبھی سرخ آرائشی طغروں سے سجایا گیا تھااورسفید گھوڑوں کی دُمیں بنفشی رنگ میں رنگی ہوئی تھیں۔خیموں کی ترتیب ہمیشہ ایک جیسی رہتی تھی۔ ہرآدمی کواپنے خیمے کی جگہ کاعلم ہوتا تھا۔۔۔ایک بہت بڑاسرخ خیمہ شاہ کارہائشی خیمہ ہوتا تھا۔اور بہت سے دوسرے خیمے شاہ کی مستورات کے لیے ہوتے تھے۔شاہ کی بیویاں موٹے نقابوں اورچادروں میں لپٹی گھوڑوں پرسوار ہوتی تھیں۔۔۔۔شاہی خیموں کے گرداونچے بانسوں پرموٹے سرخ کپڑے کی قناتیں لگی ہوتی تھیں۔شاہی خیمے ان قناتوں کی دیوار کے اندرہوتے تھے۔اس قناتی دیوار کے باہر پہرہ داروں،فراشوں،خوراک اورمطبخ کے خیمے ہوتے تھے۔خیموں کی یہ ترتیب بالکل وہی تھی جو’’زینوفون‘‘نے بیان کی ہے کہ دوہزارچارسوسال قبل سائرس کےکیمپ کی ترتیب ہوتی تھی۔‘‘ص۸۶۔۸۷

مترجم کا اُردوترجمہ مسحورکن،رواں اورطبع زادمعلوم ہوتا ہے۔مترجمہ سفرنامے:سطح زمین،آبادی،رواجات،مذہب،زبان،تاریخ اورریاستوں کے سیاسی تعلقات پرروشنی ڈالتے ہیں۔یہ اس قدر دل پذیر،شائستہ،شستہ،واضح اورقدیم طرزحیات کی عکاس ہیں کہ انہیں کلاسیک کادرجہ دیا جاسکتا ہے۔’’حرفِ آغاز‘‘میں مترجم نے ان سفرناموں کے بارے میں رائے دی کہ:

’’یہ(سفرنامے)اتنی دل چسپی کے حامل تھے کہ مجھے ان کے ترجمے کا خیال آیا۔۔۔(فریر)نے بغداد سے مشہدتک سفراپنی شناخت چھپاکرایک عام آدمی کی حیثیت سے کیا۔اس نے انتہائی دیانت داری سے واقعات قلم بندکیےاورایرانی شرفاء،عوام اورحکمرانوں کی زندگی کی ظاہری اورباطنی کیفیات بیان کی ہیں۔۔۔۔یہ سفرنامے 1845ءاور1885ء کے ایران کی جیتی جاگتی زندگی کی تحریری تصاویرہیں۔ان سفرناموں میں قارئین کواُس دورکے ایران کی رواں دواں اورمتحرک زندگی نظرآئے گی۔‘‘ص:۷ [۱۱]

(۵) سولجرنامہ:

لیفٹیننٹ کرنل سکندرخان بلوچ نے۲۶۴صفحاتی سفرنامہ’’سولجرنامہ‘‘میں اپنے اسفارِسعودی عرب،شام اورترکی کے احوال پیش کیے جس کے آغاز میں تین صفحاتی’’پیش لفظ‘‘ان کا خودنوشتہ ہے۔ایک صفحے پران کا اوران کی چھ تصنیفات کاتعارف ہے۔سفرنامہ میں۳۳عناوین کےتحت احوال پیش کردہ ہیں۔کچھ منتخب عناوین درج ذیل ہیں:۔

’’زندگی کاایک اہم موڑ۔فائل کاسفر۔فوجی زندگی کی اندرونی کہانی۔الریاض روانگی۔الریاض ایئرپورٹ پر۔ملنااس آب حیات کا۔کمانڈنٹ کے حضورمیں۔سعودی عرب میں تین سال۔امن وامان۔پاکستان وپاکستانیت۔سعودی نظام اورفوج۔سعودی معاشرہ۔کچھ سکھ واقف کار۔اسلام اوراسلامی مملکت۔کرامات اپنی وردی کے۔وہ ایک سجدہ۔جدہ سے روانگی۔ ہمارے نوجوان سفیر۔سیردمشق اورمٹرپلاؤ۔پاکستان چاندپر۔پیغمبروں کےحضورمیں۔قصہ سیمسونائٹ بیگ کا۔استنبول میں۔پاکستانی بہ مقابلہ پاکستانی۔‘‘

سفرنامہ کالینڈسکیپ کئی اماکن تک پھیلا ہوا ہے۔پشاوریونی ورسٹی کے شعبہ انگریزی سے،شمالی علاقہ جات،ملٹری کالج جہلم،ملٹری اکیڈمی کاکول،انتخاب برائے تدریسی فرائض درسعودی ملٹری اکیڈمی،جانے اورنہ جانے کے ہزارہا خدشات،ہوائی سفر،کراچی سے صحرائے عرب کے روشنیوں کا شہرریاض،سعودی کمانڈنٹ سے ملاقات،مکۃ المکرّمہ،جدہ،دمشق اورترکی تک کاپنوراماپیش کیا گیا۔سفرنامہ نیم عسکری ا

ورنیم شہری زندگی کا عکاس ہے۔ بہ حیثیت فوجی افسر انھوں نے منفرد عسکری حالات، تجربات، مشاہدات اور واقعات پیش کیے۔ قیامِ پاکستان کے بعد کی منظر نگاری کی۔ ۱۹۷۱ء سے ۱۹۷۸ء تک کے کئی زیرِ حجاب چشم کُشا پاکستانی واقعات رقم کیے۔ پاکستانی و سعودی عسکری ماحول کی منظر کشی کی۔ ریاض میں تعیناتی کے دوران میں عربوں اور یمنیوں کی ثقافت، معاشرت، نظامت، رہن سہن، رویوں کا جس انداز میں تذکرہ کیا، وہ جدید سعودی معاشرے کی تفہیم کے لیے خاصے کارآمد اور رجحان ساز ہیں۔ بیرون ملک پاکستانیوں کے رویوں کا بھی تجزیہ کیا جو عدم تعاون اور عدم برداشت کے حامل پائے گئے۔ یہ تجزیہ ہمیں اپنے رویوں میں تبدیلی لانے کی طرف راغب کرتا ہے۔ سرزمینِ عرب پر تین سال قیام کے دوران: بیت اللہ شریف اور دیارِ محمد رسول اللہ ﷺ کی زیارت، حج اور عمرے کی سعادت کے قابلِ رشک واقعات بیان کیے۔ ویزا اور پاسپورٹ کے حصول میں مشکلات، ہوائی اڈوں پر بے ہنگم ہجوم اور سفارت خانوں کے اہلِ اختیار کے بے حس رویوں کا تذکرہ کیا جو انسانی المیوں کا روپ دھار چکے ہیں۔ مقام اصحابِ کہف تک رسائی، پیغمبروں کے رواضِ مبارک کی زیارت، مقام ہابیل و قابیل کے احوال ایمان افروز انداز میں بیان کیے۔ سفرنامہ میں شام اور ترکی کے ناگفتنی واقعات بھی بیان کیے جن کا تذکرہ اصلاحِ ذات کے لیے عبرت آموز ہے۔ سفرنامہ ناتمام ہے اور قاری کے لیے تذکرۂ ترکی کے بعد تشنگی باقی رہتی ہے۔ اسلوبِ نگارش کے حوالے سے اس میں انٹلکچوئل پھلجڑیوں اور ادب پاروں کی جگہ جگہ گل پاشی نظر آتی ہے۔ بعض مقامات پر لطیفے اور چٹکلے اس کی شگفتگی، آب و تاب اور حسین ادبی رنگوں کے حسن کو مزید نکھار دیتے ہیں۔ اُردو ادب میں یہ ایک دل چسپی سے پڑھا جانے والا روشن خیال سفرنامہ ہے جس سے عسکری ماحول اور اسلامی ممالک کے جدید تمدن و ثقافت سے آگاہی ہوتی ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''آج کا پروگرام دمشق سے باہر مقاماتِ مقدسہ کی حاضری تھی۔ دمشق کی وادی پیالہ نما ہے جس کے کم از کم تین اطراف پہاڑ ہیں۔... ہم جبل قاسیون کی طرف جانے والی بس پر سوار ہوئے۔ بس بازار سے گزر کر تنگ ... گلیوں میں داخل ہوگئی جہاں بہت زیادہ موڑ تھے... ایک مقام پر جا کر بس رُک گئی۔ اس سے آگے سڑک نہ تھی۔ بل کہ پہاڑ شروع ہو جاتا تھا۔ یہاں اتر کر دیکھا تو یہ بھی فلسطینیوں کی بستی تھی۔ معلوم ہوا دمشق کے نواح میں سب فلسطینی آباد تھے۔ چھوٹے چھوٹے بچے گلیوں میں کھیل رہے تھے۔ جونہی ہمیں دیکھا دوڑ کر آئے اور بھیک مانگنے لگے۔ کچھ بچوں نے اصحاب کہف دکھانے کے لیے معلم بننے کی پیش کش کی۔... اصحاب کہف تک ان بچوں نے ہمیں گھیرے رکھا۔... ایک فرلانگ کی لگاتار چڑھائی کے بعد ہم اس جگہ پہنچے جس کا نام اصحاب کہف ہے۔ اس جگہ اب ایک فلسطینی مدرسہ قائم ہے۔ دومنزلہ عمارت ہے جس میں... غریب نادار، طلباء اسلامی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ ان طلباء کے نحیف اور لاغر جسموں اور خشک چہروں سے ان کی مالی حالت کا اندازہ ہوتا تھا۔ ان کے معلم صاحبان کافی موٹے تازے اور صحت مند تھے۔ یہاں ہم نے دو رکعت نفل ادا کر کے غار کو دیکھا۔ یہ دراصل دو متصل غاریں ہیں جن کے درمیان میں ایک چھوٹا سا دروازہ ہے۔ پہلی غار میں داخل ہوئے تو ایک چھوٹے سے کمرے کا احساس ہوا کیوں کہ شامی حکومت نے اس غار کو تھوڑا سا وسیع کر کے دروازہ لگا دیا ہے۔ یہاں سے پھر مدرسہ کی چھت پر آئے جہاں سے پورا دمشق نظر آتا ہے۔ بڑا دل کش اور حسین نظارہ ہے۔ تھوڑی دیر یہاں آرام کر کے . . . اگلے مقام اربعین کے لیے روانہ ہوگئے۔ . . . نیچے بستیوں سے

گذرکرپھر پہاڑ چڑھنا تھا۔... ایک چھوٹی سی پگڈنڈی تھی۔... کم ازکم تین مضافاتی بستیوں سے گذرنا پڑا۔سارے راستے میں بچوں کا جھمگٹا رہا۔طرح طرح سے بھیک مانگتے رہے۔جہاں بھی ہم ستانے کے لیے بیٹھتے یہ مکھیوں کی طرح اکٹھے ہوجاتے۔کچھ اپنے پھٹے کپڑے دکھاتے۔کچھ اپنے پیٹ کی طرف اشارہ کرکے اپنی بھوک جتلاتے۔جس گلی سے بھی ہم گذرتے بچوں کا جلوس ہمارے ساتھ ساتھ چلتا۔عورتیں دروازے کھول کر بڑے غور سے دیکھتیں۔کچھ عورتیں موقع دیکھ کر بخشش مانگ ہی لیتیں۔دل کو بڑا دکھ ہوا۔واقعی جس کو اللہ نہ دے انسان بھلا کیا دے سکتا ہے؟ مجھے دوسال پہلے کا واقع یاد آگیا۔خانہ کعبہ سے فارغ ہوکر تھوڑی دیر کے لیے وہاں بیٹھ گئے۔ایک پاکستانی عورت نے بھیک کے لیے ہاتھ بڑھایا۔خدا کے دربار میں حاضری سے کچھ عجیب حالت تھی۔میں نہیں چاہتا تھا کہ اس دربار پر مجھ سے کوئی بات بھی کرے۔اس دخل اندازی سے بڑا غصہ آیا اور پھر حیرت اس بات کی کہ لوگ اس مقام پر پہنچ کر بھی انسانوں سے مانگتے ہیں۔میں اس بڑھیا کو پکڑ کر ملتزم پر لے گیا اور کہا مائی مانگ یہاں سے جہاں سے ساری دنیا لیتی ہے۔میں تو خود یہاں بھکاری ہوں بھلا تمہیں کیا دے سکتا ہوں؟ عورت نے برا سا منہ بنایا، کہنے لگی اگر نہیں دے سکتے تو یہ ڈرامہ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟... ہم لوگ چلتے چلتے تھک کر کوئی ڈھائی گھنٹے میں مقام اربعین پہنچے۔اس جگہ کو اربعین اس لیے نام دیا گیا ہے کہ یہاں پر چالیس پیغمبر مدفون ہیں۔ایک روایت کے مطابق یہاں پر حضرت ابراہیمؑ ،حضرت لوطؑ ،حضرت موسیٰؑ ،حضرت ایوبؑ اور حضرت الیاسؑ کی قبریں ہیں۔یہ ایک مربع شکل کا بڑا سا پرانا کمرہ ہے۔یہ کمرہ اس وقت بند تھا۔بڑی آوازیں دیں۔دروازہ کھٹکھٹایا مگر کوئی نہ نکلا۔بائیں جانب ایک بہت بڑا زمین دوز تالاب بھی ہے۔اس بلندی پر پانی کا ہونا ایک معجزہ ہی ہے۔''ص:۲۱۷۔۲۱۹ ؂۱۲

(۶) چین آشنائی:

ڈاکٹر شاہ محمد مری نے ۳۴۲صفحاتی تصنیف ''چین آشنائی'' میں اپنے سفرِ چین ۲۰۰۴ء کا حال رقم کیا۔شاہ محمد مری ۲۴ مارچ ۱۹۵۴ء کو ماوند کوہستان بلوچستان میں محمد مراد بجارانی کے ہاں پیدا ہوئے۔۱۹۷۱ء میں گورنمنٹ ہائی سکول دُکی سے میٹرک ،۱۹۷۳ء میں گورنمنٹ کالج سبی سے ایف ایس سی ،۱۹۷۹ء میں بولان میڈیکل کالج کوئٹہ سے ایم ایم بی بی ایس کیا۔۱۹۸۱ء میں ژوب سے شعبہ صحت میں حکومتی ملازمت کا آغاز کیا۔۱۹۹۰ء میں لاہور سے ایم فل پیتھالوجی کیا۔اس وقت بولان میڈیکل کالج میں وائس پرنسپل اور صدر شعبہ پیتھالوجی ہیں۔شاہ محمد مری اردو ترجمہ نگار، سفرنامہ نگار، سوانح نگار ،مؤرخ ،دیباچہ وتقریظ نگار،بلوچی زبان وادب کے ادیب اور ذہین قلم کار ہیں۔اردو''ماہنامہ نوکیں دور کوئٹہ'' کے مجلس ادارت کے رکن نیز اُردو''ماہنامہ سنگت کوئٹہ'' کے مدیر ہیں۔۱۹۸۵ء میں کمیونسٹ انقلابی لیڈر و صدرِ مملکتِ کیوبا فیڈل کاسترو کے ایک انٹرویو کا اردو ترجمہ کرکے اولیں تصنیف کی حیثیت سے بہ عنوان:''امریکی قرضے'' شائع کیا۔ان کی مختلف الجہت تصانیف میں:''امریکی قرضے۔پتھر کی سل پر نام۔مری بلوچ جنگِ مزاحمت۔بلوچ۔موہن جودڑو کا جوگی۔بلوچ قوم عہد قدیم سے عصر حاضر تک۔نیست پیغمبر...۔تاریخِ تہا نفرِ کرد۔سورج کا شہر۔منتخب سوویت افسانے۔بلوچ سماج میں عورت کا مقام۔پاکستانی ادب کے معمار عبداللہ جان جمال دینی شخصیت اور فن۔بلوچستان کا ادب اور خواتین (مشترک مصنف)۔عشاق کے قافلے۔عشاق کے قافلے

۹،عبداللہ جان جمال دینی ۔چین آشنائی ۔مستیں توکلی۔عشاق کے قافلے ۵، میر یوسف عزیز مگسی۔اباسین پہ سحر ہوتی ہے ۔پہاڑوں کا بیٹا۔سپارٹیکس ۔کمیونسٹ مینی فیسٹو۔مری بلوچوں کی جدوجہد آزادی' شامل ہیں۔

''چین آشنائی'' کے آغاز میں مصنف کا خود نوشتہ دوصفحاتی ''پیش لفظ'' مرقوم ہے۔تصنیف کے ۱۶ ابواب میں: ''چھوٹے دارالحکومت (کوئٹہ) سے بڑے دارالحکومت (اسلام آباد) تک ۔مجذوب بیوروکریسی کا شہر اسلام آباد۔ بہ رو دیم ءَ بہ روَ دیم ءَ بہ روَ۔کھلا باب سحر آہستہ آہستہ ۔فاریڈن سٹی۔راؤنڈ ٹیبل کانفرنس۔ دیوار چین ۔نیشنل میوزیم آف ماڈرن چائینیز لٹریچر۔چین کا بڑا آدمی ۔عبرت اے آنکھوں والو۔چینی تاریخ میں ایک اور ڈ بکی۔شیخ مرید کی گشت گاہ سے واپسی۔کلچرا یگریکلچر۔مہرگڑھ کا تسلسل۔ترقی مزید ترقی مزید۔کونجوں کی وطن واپسی'' شامل ہیں۔ابواب کے تحت ذیلی عنوانات دیے گئے، جیسے: ''چینی سماج۔ادب۔معیشت۔صنعت۔ثقافت۔اہم مقامات۔گذران ۔خاندان منگ۔آکوپنکچر۔کرنسی۔سفر جہار کا تجربہ۔ایجادات۔نوادارت۔کاغذ۔صحرائے گوبی۔سامراجی تاریخ۔ریشم۔باکسر جنگ۔کیلنڈر ۳۵۴ دن کا۔قدیم شاہی محلات ۔اخبارات ۲۰۰۰۔اخبار پیپلز ڈیلی کی اشاعت ۱۵ لاکھ۔رسائل ۳۰ ہزار۔ٹی وی چینل ۳۰۰۔ ریڈیو سٹیشن ۴۰۔ عوامی سواری سائیکل۔ماؤزے تنگ (۲۶ دسمبر ۱۸۹۳ء ۔۹ دسمبر ۱۹۷۶ء)۔توہمات۔ اخلاقی گراوٹ۔دھوکہ بازی۔ اصلاحات ۔ کاروبار حیات۔ رسومات۔ باغات ۔ روایات۔واقعات وشخصیات۔ ہوٹل۔ کھانے۔شہر۔مارکیٹیں۔خریداری۔عبادت گاہیں۔پہاڑ۔صوبے۔ انقلاب'' وغیرہ۔انہوں نے چینی ادیبوں : لوہسون (۱۸۸۱ء۔ ۱۹۳۶ء)، باجین (۱۹۰۴ء۔۲۰۰۵ء)، ماؤڈون (۱۸۹۶ء ۔۱۹۸۱ء) اور کومورو (۱۸۹۲ء۔۱۹۷۸ء) کا بالخصوص تذکرہ کیا۔اُردوادب کو چین کے حوالے سے ایک تازہ سفر نامہ دیا۔شاہ محمد مری کا اسلوب نگارش منفرد اور ترقی پسندانہ ہے جس میں شوخی،طنز،کنایہ کے عناصر اور بلوچی عکس جلوہ گر رہتا ہے۔ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''ہاں یہ سچ ہے کہ چینی یورپیوں سے نفرت کرتے ہیں مگر وہ کون سے یورپی ہیں اور اس نفرت کا سبب کیا ہے؟ چینی یورپی عوام سے نفرت نہیں کرتے۔ان کا یورپ کے لوگوں سے کبھی کوئی تنازعہ نہ تھا۔وہ یورپی سرمایہ داروں سے نفرت کرتے ہیں ۔چینی ان لوگوں سے نفرت کیوں نہ کریں جو محض حصول مفادات کی خاطر چین آئے جنھوں نے اپنے بلند بانگ تہذیب کو محض دھوکہ دہی،لوٹ کھسوٹ اور تشدد کے لیے استعمال کیا۔''ص:۴۴ ؁۱۳

(۷) سورج کا شہر:

ڈاکٹر شاہ محمد مری نے ۱۱۲ صفحاتی اور گیارہ ابواب کی حامل تصنیف ''سورج کا شہر'' میں اپنے سفرِ جنوبی بلوچستان اور گوادر کے احوال پیش کیے جس کے آغاز میں چار صفحاتی دیباچہ ''سمندر سے خاموش مکالمہ'' نوشتہ از افضل مراد، پیش کردہ ہے۔سفر نامہ نگار نے اپنے سفر کے حال کا آغاز،کیچ مکران میں سولھویں صدی کے بلوچ شہزادہ پنوں اور سسی کے ذکر سے کیا کہ:

او پنوںؔ پھہ چھ شُذھ عئے گوبراذھ عاں مہری شواء لنگ باذھ عاں

(او پنوں!تم بھائیوں کے ساتھ کیوں گئے؟ خدا کرے تمہاری سواری کی اونٹنیاں لنگڑی ہو جائیں)۔''ص:۱۳

سفر نامہ میں مکران ڈویژن کے شہر تربت ایئر پورٹ کا دل چسپ ذکر کیا۔دشت کے راستے گوادر پہنچے جہاں بلوچ ماہی گیروں کی حالت زار دیکھی ۔گوادر کی بدلتی ہوئی صورت حال،اس کی جغرافیائی اہمیت،تاریخی پس منظر،معاشرت ومعیشت کو بیان کیا۔ان کے نزدیک

اس علاقے کی تمدنی روایات کو منشیات سے خطرات لاحق ہو چکے ہیں۔مچھلیوں کی اقسام بیان کیں اوراستحصالی تجارت سے نقاب اٹھایا۔گوادر کے شب وروز کے بارے مشاہدات پیش کیے۔اسلوب بیان شگفتہ ہے۔انہوں نے محض مشاہدات وواقعات بیان نہیں کیے بل کہ دانش مندانہ نکات اور تجزیاتی اندازنظر سے تحریر کو دل چسپ بنایا۔ نام نہاد پارساؤں ،ترقی دینے کے کھوکھلے دعوے کرنے والوں کا خاکہ اڑایا۔طنزیہ جملے اور چٹکلے تحریر کا حصہ بنائے۔وہ اپنی اصلاحی تحریروں سے معاشرے کو خردمند بنانے کی سعی کرتے ہیں۔گوادر میں ماہ رمضان میں مسافروں کے لیے سامان خوردونوش ندارد،دن کو مسجدوں میں اذانیں اوررات کو مکران میں پیرِ مغاں،ترقی کے نام پر زمین کی قبضہ گیری،خدا ترسی کے نام پر دوسروں کے وسائل کو نوچنا،عوام کے غم میں گھلنے والے سیاسی شعبدہ بازوں،عوام کا خون نچوڑنے والے حکم رانوں، جاگیرداروں کا بظاہر دعوائے پارسائی ،پس پردہ لوٹ کھسوٹ؛ایسے لوگوں کا خاکہ اڑانا ان کی تحریر کا فیشن ہے۔ وہ سمگلروں کو،الیکٹرانک آلات،مشینری،سائنسی فارمولے سمگل کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔بلوچستان کی معاشی ومعاشرتی پس ماندگی کے ساتھ ذہنی پس ماندگی پر چوٹ کرتے ہیں۔تحریر میں اختراعی جدت،بلیغ طنز اور مزاح ہے۔دو اقتباسات ملاحظہ ہوں:

(۱)''تربت بازار میں کتابوں کی ایک مشہور دکان سے ہم نے کراچی کا چھپا ہوا بلوچستان کا نقشہ ساٹھ روپے میں خریدا تا کہ علاقوں ،جگہوں سے اچھی طرح واقفیت ہو سکے۔(بلوچستان کا نقشہ تک کراچی سے چھپتا ہے)مگر اس نقشے میں بالیچہ کو بلیابا، ناصر آباد کو نصیر آباد، کلاتک کو کلانوک،نلیٹ کو نالیں لکھا ہوا تھا۔''ص:۱۵

(۲)دشت کا راستہ کچا ہے۔سکندر سے سسی تک اور پھر سسی سے اکیسویں صدی کی پہلی دہائی کے نصف تک یہاں کوئی کہکشاں وجود میں نہ آ سکا۔پک اپ گاڑیوں کا زبردستی کا بنایا ہوا گرد آلود کچا راستہ،مسافروں کو مشکل ترین پی ٹی ڈرل کے کاشن دیتا ہوا بے مہر راستہ (ہے)۔بلوچستان کے قومی شناختی کارڈ پر شناختی نشان کے خانے پر فطرت نے لفظ پہاڑ لکھ ڈالا۔''ص:۱۷ ۱۴

ڈاکٹر شاہ محمد مری نے بلوچی کی بجائے ،اردوئی اثاثہ کو بقدر دو سفرنامہ،ثروت مند کیا۔

(۸) قدم قدم سوئے حرم:

شاہد راحیل خان بلوچ نے اپنے سفرِ حج ۲۰۰۸ء کے احوال کو ۱۲۸صفحاتی تصنیف ''قدم قدم سوئے حرم'' کی صورت پیش کیا۔مصنف، ملتان کے سکونتی اور بینک آفیسر ہیں۔زمانہ طالب علمی کے دوران لکھنے کا آغاز کیا۔کالم نگاری کے علاوہ شاعری کی۔افسانے،سٹیج و ٹی وی ڈرامے تحریر کیے۔سفرنامۂ حج کے مضامین کو پہلے روزنامہ نوائے وقت ملتان میں قسط وار شائع کرایا۔حج پران کا پہلا کالم ۱۰جولائی ۲۰۰۹ء کو شائع ہوا۔کالموں کی اشاعت کا تسلسل ہنوز برقرار ہے۔تصنیف کے آغاز میں مصنف کا دوصفحاتی ''دیباچہ''،مکہ معظّمہ اور مدینہ منور میں نوشتہ ایک ''حمد''اورایک ''نعت'' پیش کردہ ہیں۔ بعدازاں ڈاکٹر خلیل احمد خان کی ایک ''نعت'' نیز قیصر ملک ملتانی،سلیم ناز انچارج ادبی ایڈیشن نوائے وقت ملتان،حفیظ خان،سید خالد جاوید مشہدی (نوائے وقت ملتان) پروفیسر حفیظ الرحمٰن خان بزدار اور پروفیسر عزیز بلوچ کی ایک تا دوصفحاتی تقاریظ وآرا ءزینت سفرنامہ ہیں۔سفرِ حج کے احوال ۹۷موضوعات کے تحت پیش کردہ ہیں۔کچھ عناوین درج ذیل ہیں:۔

''جسے چاہا در پہ بلا لیا۔چھٹی کا انتظار۔سفر مقدس کا آغاز۔عروس البلاد۔جدہ ایئر پورٹ۔مکہ معظّمہ کی جانب۔قرآن پاک کے سائے تلے۔عمرہ

کے مراحل۔کعبے پر پڑی جب پہلی نظر۔باب السلام۔طواف۔استلام رمل اوراضطباع۔تعمیرکعبہ۔بیت اللہ کے سائے تلے۔ملتزم پر۔صفاومروہ۔سعی۔حلق کرانے کا مرحلہ۔آٹھ ذوالحج تک۔منیٰ اورمزدلفہ کی سیر۔میدان عرفات۔جبل رحمت پر۔مکہ معظّمہ میں ساتواں دن۔حرم پاک میں نماز جمعہ۔خانہ کعبہ کے عین سامنے۔مسجد جعرانہ اورمسجد عائشہ سے احرام باندھنا۔جبل نوراورغارحرا۔جبل ثور۔مناسک حج کا آغاز۔منیٰ میں۔۔۔۔عرفات روانگی۔عرفات میں انتظامات۔مسجد نمرہ اوراس کی فضیلت۔حج کا رکن اعظم وقوف۔رب سے قربت کے لمحات۔مزدلفہ اوروادی محسر۔مزدلفہ کی جانب سفراورقیام۔رمی کے لیے جمرات کا سفر۔کنکریاں مارنے والوں کا جوش وخروش۔قربانی اورحلق۔طواف زیارۃ۔طواف زیارۃ کے بعدمنیٰ واپسی۔منیٰ سے مکہ مکرمہ واپسی۔والدہ محترمہ کی رحلت کی خبر۔دیارحبیبﷺ روانگی کے لمحات۔شہرنبیؐ کے سیدھے سیدھے راستے۔مدینہ منورہ کا موسم۔درمصطفیٰؐ پہ حاضری۔مسجدنبویؐ اورآپﷺ کا ارشادگرامی ۔ جنت البقیع۔خاتون جنت حضرت فاطمہؓ کے مزاراقدس پر۔مقدس ومتبرک مقامات ومساجد۔جبل اُحد۔مسجد قُباء۔مسجد قبلتین۔مساجد سبع۔ریاض الجنۃ۔جنت کے باغیچے میں۔بیش تر وقت مسجدنبویؐ میں۔روضۂ اقدس کے سامنے۔مدینہ منورہ میں قیام کا آخری دن۔جدہ ایئرپورٹ پر۔سرزمین حجاز پرآخری لمحات۔''

سفرنامہ میں:احوالِ حج،عبادات،تاریخی واقعات،ارض مقدس کے بارے معلومات،انتظامات، مشاہدات اورکیفیات قلب وروح کوموثر پیرایہ اظہار میں پیش کیا گیا جنھیں پڑھ کرمطالع خودکواسی پُرنور ماحول میں محسوس کرتا ہے۔اسلوب نگارش شستہ، پاکیزہ، مؤثر اور دل نشیں ہےجس سے مودت وعقیدت کی معطرخوش بوآتی ہے۔نمونہ تحریر کے لیےایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''جس مقام پرمغرب کی نمازاداکرنے کا موقع ملا اس سے چندقدم کے فاصلہ پرکعبہ کادروازہ ہماری نظروں کے بالکل سامنے تھا۔ایسامنظراورایساموقع زندگی میں پھر ملے نہ ملے،یہ سوچ کرنمازعشاء بل کہ اس کے بعدبھی کافی دیرتک ہم اسی جگہ بیٹھے کعبہ کی زیارت کرتے ہوئے اپنے مقدر پرنازاں ہوتے رہے۔''ص:۹۳

ادبی پیرایہ اظہار،حسن بیان اورفنی پختگی کے لحاظ سے''قدم قدم سوئے حرم'' کے مقابل،حفیظ الرحمٰن خان کا سفرنامۂ حج ''سجدہ ہرہرگام کیا'' گلِ سرسبدنظرآتا ہے۔ ۱۵

(۹) ایورسٹ کے دیس میں:

ڈاکٹرعباس برمانی(براہمانی) کی ۲۴۰صفحاتی اور ۱۱۳ابواب کی حامل تصنیف''ایورسٹ کے دیس میں'' نیپال کا سفرنامہ ہے۔ڈاکٹرعباس براہمانی ۱۲اکتوبر۱۹۶۰ءکوبستی ہوت(ہود)والاچوٹی زیریں ضلع ڈیرہ غازی خان میں مولانامحمدحسین بلوچ نجفی کے ہاں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم خیرپورمیرس سے حاصل کی جہاں ان کے والدگرامی اورینٹل کالج میں استادتھے۔میٹرک گورنمنٹ ہائی سکول چوٹی زیریں سے کیا۔گورنمنٹ کالج ملتان سے انٹرمیڈیٹ کیا۔اسلامیہ یونی ورسٹی بہاول پورسے بی ایس سی اورقائداعظم میڈیکل کالج بہاول پورسے ایم بی بی ایس کیا۔سفرنامہ نگار،مزاح نگاراورغالب شناس ادیب ہیں۔ان کی تصنیفات میں:''صحرامیں گلاب(اردوسرائیکی نظم ونثر پارے)۱۹۹۴ء۔کیلاش کتھا۔میراسندھوسائیں۔برف دریاؤں کا سفرنامہ۔احمقوں کی جنت۔غالب کے زمانے کی دلی'' شامل ہیں۔

''ایورسٹ کے دیس میں'' کے آغاز میں ایک قرآنی آیت کا ترجمہ، کچھ مفکرین کے پُرحکمت فرمودات،نوشتہ ہیں۔تصنیف کے

موضوعات میں سے کچھ درج ذیل ہیں:۔'' دیوی ،دیویانی اورزندگی کے دھاگے،نیپال ہی کیوں؟۔ مدینۃ الاولیاء سے دیوتاؤں کے شہرتک،میں نے ڈھاکہ تیرتے دیکھا۔بھگتاپور کے بھگت،پشوپتی ناتھ،سومبوناتھ کا بدھااورکھوجاناتھمل میں۔رنگوں کانگر،نگرکوٹ،عظیم فصیل ہمالیہ،صبح ۴۵۔۴ ایورسٹ ٹرپ،ساتھ چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں۔شہر پرفسوں کاٹھمنڈو،دربار کمپلیکس،ڈھوکا دربار،کماری زندہ دیوی اورکالی ماتا کے پجاری۔چیتابن کا پاگل ہاتھی،سوراہا گاؤں اورتھر،پاک اسرائیل دوستی،راپتی بیچ پر۔اوشوکیمپ،رائنوسفاری،ہاتھی کی پیٹھ سے دنیادیکھنا اچھا لگتا ہے۔راپتی کے مگرمچھ،بے بی ایلی فینٹ،جنگل میں مورناچا ہم نے دیکھا۔برڈواچنگ،گینڈوں کے تعاقب میں،مہاوتوں کی بستی،نیپالی لیک ڈسٹرکٹ۔بندھاسینی ٹیمپل۔ڈیوی فالز،گپتیشورمہادیوغار ۱۶۶ سیڑھیاں زیرزمین۔فیوہ لیک سے ڈل لیک تک۔پوکھرا کی جنت اورکشمیر کی جنت۔ناگ دیوتا۔رن فار یورلائف۔صدائے تبت سنو۔ٹہنی پہ کسی شجر کی تنہا۔ریسکیو۲۰۰۰''

ڈاکٹرعباس براہمانی،براستہ ڈھاکہ بنگلہ دیش،نیپال پہنچے جو پہاڑوں کی سلطنت ہے۔یہ گوتم بدھ کی سرزمین اورایورسٹ کا دیس ہے۔ نیپال کے حوالے سے انہوں نے وہاں کے مناظر،موسم،معبد،مذہبی آثار،مٹکے،مالا،ادب،۲۲ زبانیں،شہر،خوراک ، سیاحت،شب وروزاورنیپالی ثقافت کےنقوش کی واضح مصوری کی۔اسلوب بیان پرفسوں ہے۔ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''یہاں نگرکوٹ نام کاایک گاؤں ہے جہاں صاف موسم میں ہمالیہ کی ۳۲۰ کلومیٹرطویل فصیلِ برف نظر آتی ہے۔مشرق میں ایورسٹ سے لے کرمغرب میں دھولا گیری تک یہ عظیم الشان برفانی چوٹیاں طلوعِ آفتاب اورغروب آفتاب کے وقت بدلتے رنگوں کا جونا قابل یقین منظر پیش کرتے ہیں وہ پوری دنیامیں اورکہیں نہیں ہے۔یہاں پوکھرا نام کا قصبہ ہے جہاں فیوہ،روپااوربگناس نام کی تین بڑی جھیلیں ہیں جن کے اردگرد ہرے بھرے جنگلوں سے ڈھکی پہاڑیاں ہیں اوران کے شفاف نیلے پانیوں میں ہمالیہ کی عظیم برفانی چوٹیوں کے عکس رقصاں ہوتے ہیں۔پوکھرا قصبے کے اوپرفش ٹیل پیک نام کی ہمالیائی چوٹی سایہ فگن ہوتی ہے۔کہا جاتا ہے کہ یہ دیوتاؤں کا گھر ہےاوراس لیے کسی انسان کے قدم آج تک اس پر نہیں پہنچ سکے۔پوکھرا میں ہی پاتالی،چھانگو،سیتی ریورگارج،مہادیوغاراورڈھونگی سانگو کے قدرتی عجائبات عالم موجود ہیں۔''ص:۱۱ ۱۶؎

(۱۰) برف دریاؤں کے سفر:

ڈاکٹرعباس براہمانی نے ۱۶۰ صفحاتی اور۱۳ ابواب کی حامل تصنیف''برف دریاؤں کے سفر''میں شمالی علاقہ جات کے برفانی کوہستانوں اورمنجمد دریاؤں کا سفرنامہ پیش کیاجس کے آغاز میں تین صفحاتی دیباچہ''منجمد دریاؤں میں سچ کی تلاش''ان کا خودنوشتہ ہے۔ تصنیف کے کچھ موضوعات درج ذیل ہیں:۔

''چناران کی ایک شام،آمدفیری میڈوشہزادے کی اوررائے کوٹ کا برف دریا۔سی،دوپہر کی دھوپ میں،ہراموشی سے آتادریااورذکرروپل کے برف دریاؤں کا۔شیوق کنارے محل میں درویشوں کی محفل،تاریکی میں روشن زردسورج،ذکرگل مت کے برف دریا کا۔شیوق کنارے صبح کی سیر،چپلو کے سیب، بلتستانی بگٹی،چقچن مسجداورخانقاہ۔مچلو کی خوبانیاں،پالتوگلیشئر،کاندے کاوحشی نالہ،ہوشے کیمپ اورذکرالتر کے برف دریا کا۔شائی چو،صنوبروں کے جھنڈ میں خیموں کی بستی K6,K7،بے رت کی بسنت۔ماشابروم اورگندوگورو کے برف دریا،سنگ بارطلسمی

چٹانیں، پھولوں کا کھیت ۔ برفوں میں جمی ایک تاروں بھری رات، انہی گلیشئر پہ چل کر اگر آ سکو تو آ ؤ... ذکر پسو کے دریا کا۔ یہاں دنیا ختم ہو جاتی ہے، ہسپاں یا ہسپانیہ۔ عرش کے دیدۂ نمناک سے سرِ کوہسار برستے ستارے، کوہستانی تنہائی میں بھٹکتا راہی، ذکر کوہ شاہ وال کے برف دریا کا۔ برفستانوں سے واپسی، ذکر چند اور برف دریاؤں کا، اوشو کی برف ندی، معذرت نامہ۔''

ڈاکٹر عباس براہمانی اپنے سفرناموں میں، مناظر فطرت، پہاڑوں، ندیوں، گلیشئر وں ، وادیوں ، دریاؤں، پھولوں اور مظاہر فطرت کی رعنائیوں کو ہنستے، مسکراتے، سرگوشی کرتے فطرت سے مکالمہ کرتے بیان کرتے ہیں۔ ان کے سفرناموں میں تاریخ، جغرافیہ، ثقافت، مزاح، شگفتگی، زرخیز ذکاوت کے نکات، منظر نگاری، معلومات کا ادبی پیرایہ اظہار زیب و زینت کے ساتھ ملتا ہے۔ تحریر میں وسیبی ثقافتی عکس کی وجہ سے ان کا منفرد دکشن ہے۔ ''برف دریاؤں کے سفر'' ایک دل چسپ اور حیرت افزا طلسماتی دنیا کا سفرنامہ ہے۔ فطرتی منظر کی عکس بندی کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''کوہ الترکی بلندیوں سے التر گلیشیئر ایک عظیم الشان سفید برفانی آبشار کی مانند اترتا تھا۔ اور اتر کر کھائی میں لیٹ جاتا تھا۔ اتنی بلندی سے اترنے میں تھکن تو ہوتی ہے ۔ چناں چہ اب یہ کئی کلومیٹر طویل کھائی میں استراحت فرماتا تھا۔ یہاں اس میں بے شمار کٹاؤ اور دراڑیں تھیں۔ کھائی کے کنارے جہاں ہم کھڑے تھے، اس سے ذرا پیچھے سفید برف کی ایک تہہ بچھی ہوئی تھی۔'' ص:۷۳ ۱۷

(۱۱) طلسماتی وادیاں:

ڈاکٹر عباس براہمانی کا ۱۶۸ صفحاتی تصنیف ''طلسماتی وادیاں'' کوہ سلیمان ڈیرہ غازی خان اور مشرقی بلوچستان کی حیرت انگیز وادیوں کا سفرنامہ ہے جس کے آغاز میں ایک قرآنی آیت کا ترجمہ، کچھ مفکرین کے پُرحکمت فرمودات، مست توکلی اور بالاچ کی بلوچی شاعری کے چند اشعار کا ترجمہ نیز تین صفحاتی دیباچہ بہ عنوان: ''کوہ سلیمان اور بلوچ قبائل'' پیش کردہ ہیں۔ اجمالی نظارچہ کے طور پر اس کے ۱۹ موضوعات درج ذیل ہیں:۔

''فورٹ منرو، اناری کی برفیں، ایک چھلاوہ۔ ایک پُراسرار طلسماتی وادی، جنگلات کے محافظ جنات۔ نخلستان ، ندی، نقشہ خزانے کا۔ بہادر گڑھ، زندہ پیر اور گرم چشمہ۔ کوہ سلیمان کی دوسری بلند ترین چوٹی پر۔ دلورائے ایک بولتا ہوا خوابیدہ شہر۔ مٹ گنڈ، تیتروں اور خرگوشوں کی وادی۔ کونج دشت سے نوشابہ کے شہر تک۔ قدرت کی آرٹ گیلری۔ مٹھاون ندی کا درہ۔ رام سنارے کے کھنڈر اور ایک چٹانی پناہ گاہ۔ ''عوامی روحانی کیسینو'' بے روٹھ مندوانی، سید امیر شاہ صاحب۔ خاکہ کچھی (کھوانھ) کے گلابی اہرام، آبشاریں اور پھول۔ وادی بغاؤ، ایک جنت گم گشتہ!۔ رڑتر کھنڑ کی وادی، ٹاوروالی پہاڑی کے پیچھے کیا تھا؟۔ کھولو، کوہ جندران اور آصف ایاز مری۔ کاریز، بلوچستان کے فرہادوں کی جوئے شیر، ذکر اک شہر بے مروت کا۔ درگئی سرگڑھ، کھنڈرات، دفینے اور جشن آزادی۔ زیارت، بوڑھے صنوبر، بابائے قوم اور بابا خرواری۔ کوہ چلتن، ہزار گنجی نیشنل پارک، مارخور ہی مارخور۔''

تصنیف، مشرقی بلوچستان اور ڈیرہ غازی خان کے بلوچ قبائلی کوہستانی علاقوں کا دل فریب سفرنامہ ہے۔ ان علاقوں کے فطرتی حُسن کو بار اول ایک دل چسپ اُردو سفرنامہ کی صورت منظر عام پر لایا گیا۔ سفرنامہ میں کہیں کہیں معاصر سیاسی رجحانات اور تاریخی احوال بھی

بیان ہوئے۔ سفرنگار کو منظر نگاری اور بیانِ کیفیات واحساسات پر قدرت حاصل ہے۔ اسلوب تحریر سادہ، شگفتہ اور نکتہ آفریں ہے جس میں بلوچ ثقافتی عکس واضح جھلکتا ہے۔ ایک اقتباس بطور نمونہ ملاحظہ ہو:

''ایک صاحب بولے' سائیں لکیروں کے اوپر گاڑھا رنگ ہے تو کچھ لوگوں نے اسے کھرچا کہ شاید نقشہ ان کے نیچے ہے،' جب کہ دوسرے صاحب بولے' نہیں سائیں، یہ خزانہ دفن کرنے والوں میں سے کسی نے بعد میں آ کر خراب کیا ہے تاکہ کوئی اور نہ نکال لے۔' اب بچارے بلوچوں نے کیا خزانہ نکالنا تھا وہ تو اپنے بے شمار اور بیش بہا خزانے نکالنے والوں کا کچھ نہ بگاڑ پائے بلکہ خود اپنی ملکیت سے نکلتے جا رہے ہیں۔ یہ ایک ایسے کو مختصر الفاظ میں بیان کیا جا رہا ہے۔ اسے کوئی سیاسی بیان نہ سمجھا جائے۔... مجھے میرا خزانہ مل چکا تھا۔ ایک نخلستان، ایک مترنم ندی، تیتروں کی ڈار، ایک قدیم نقشہ اور ایک حسین شام، ایک پرسکوت شام جو ہمارے اطراف سربلند کھڑے عظیم الشان پہاڑوں سے اترتی آ رہی تھی۔ وہ چند خیموں اور گدانوں پر مشتمل اس مختصر وادی پر اپنی سیاہ زلفیں بکھیر رہی تھی اور آکاش ان زلفوں پر چھڑکنے کے لیے ستاروں کی افشاں اپنے دامن میں جمع کر رہا تھا۔ میں اپنی یادداشت کی جھولی ان قیمتی خزانوں سے لبریز کر کے گھر لوٹ رہا تھا۔'' ص: ۳۴-۳۵ [۱۸]

(۱۲) کیلاش کتھا:

ڈاکٹر عباس براہمانی کا ۱۴۴ صفحاتی ''کیلاش کتھا'' شمالی علاقہ جات اور کافرستان کا سفرنامہ ہے جس کے آغاز میں ایک قرآنی آیت کا اردو ترجمہ نوشتہ ہے۔ پس ورق پر دو تقاریظ نوشتہ از شاکر حسین شاکر اور رضی الدین رضی پیش کردہ ہیں۔ سفرنامہ میں ۷۱ عنوانات کے تحت شمالی علاقوں کے قابل دید مقامات کے احوال دل چسپ پیرایہ اظہار میں بیان کیے گئے۔ کچھ موضوعات درج ذیل ہیں:۔

''صبح فردوس، بمبوریت، طلوع آفتاب۔ سندھ کے طوفانی دھارے، تھل کی چاندنی اور شہر پے خور۔ ادھر ڈاکہ پڑتا ہے، درہ لواری کی وحشت بے اماں اور چترال۔ ترچ میر کے سائے میں، ایون کے سبزہ زار اور کافرستان۔ (قراقال)، کافروں کے چکر میں مت پڑو۔ شخانده، سرخ کافروں کی بستی اور غلبہ اسلام۔ کوہِ شاہ وال کے برفانی غار، گلیشئر زاور ''قلم داروں'' کی محفل۔ ادھر افغانستان ہے، مارخور کھلائے گا اور کس کس نے الاؤ میں لکڑیاں ڈالیں؟ منتظر مہتاب جہاں گرد، کن خوش نصیبوں پر چاند کی کرنیں اتریں؟ میں بھی کبھی کسی کا سر پر غرور تھا اور مہادیو کے حضور۔ کوہ گمبک کی چڑھائی اور بام دنیا سے کیا کیا دکھائی دیتا ہے؟۔ درہ گیسکر کی بھول بھلیاں، پانی ختم شد، خدا کی قسم میں نے چیتا دیکھا تھا۔ وادی بریر، رات کی مرگ خاموشی میں گولڈن آر لیو بولتا ہے۔ انجیر وزیتون کی مقدس وادی، ادھر کیا کرتا ہے، افغانستان جا کر جہاد کرو۔ اجاؤ، اندرلوک میں اپسراؤں کا رقص۔ واپسی، بیماری، بے وفائی اور میں نے موت سے جنگ لڑی۔''

سفرنامہ میں شمالی علاقہ جات کا فطرتی حسن، برفانی کوہستانوں، وہاں کا کیلاش قبیلہ اور ان کے رسوم ورواجات کے بارے، معلومات ومشاہدات پیش کیے گئے۔ اس کے احوال اگرچہ دل فریب اور بیان شگفتہ ہے مگر کہیں کہیں معیارِ ادب سے فروتر سطور کی نشان دہی ہوتی ہے۔ [۱۹]

(۱۳) میرا سندھو سائیں:

ڈاکٹر عباس براہمانی کی ۲۳۲صفحاتی اور ۱۲۵ابواب کی حامل تصنیف ''میرا سندھو سائیں'' سکردو سے، دریائے سندھ کے ساتھ ساتھ، بھنبور تک کا سفرنامہ ہے جس کے آغاز میں ایک قرآنی آیت کا ترجمہ، شاہ لطیف اور خواجہ فرید کے کچھ اشعار، انتساب، کلمات تشکر اور پس ورق تقریظ نوشتہ از مستنصر حسین تارڑ، پیش کردہ ہیں۔اس کے کچھ عناوین درج ذیل ہیں:۔

''مجھے رنگ دے۔ میرا سندھو سائیں، سنگھے کھبب سے مہران تک۔ سکردو، صحرا میں گلاب، جشن گل مندوق۔ کھرفوچے کی بلندیوں سے سندھو کی زیارت اور تاریخ کا مشاہدہ۔ ایک ڈیلٹائی میدان، دل صد پارہ اور جھیل صد پارہ۔ دیوسائی، گوجر کارواں، یاک سرائے اور شیوسر جھیل۔ جمہوریہ گلگت، دریاؤں کا سنگم، پاکستان کا خوب صورت ترین گاؤں ترشنگ۔ روپ کی رانی روپل، چونگ پرا، اور بیزنگ گلیشیئرز، ایک وسط ایشیائی چراگاہ اور ناننگا پربت۔ رائے کوٹ، پریوں کا رقص گاہ فیری میڈوز، بیال کیمپ اور پھر ناننگا پربت۔ سندھ کنارے بشام کی ایک شام، اٹک، اباسین اور دریائے کابل کا ملاپ۔ ڈیرہ اسماعیل خان، شاہ حسین کے بندر اور ملنگ، مسافر سائیں۔ غازی گھاٹ، سندھو کے بے نام جزیرے، نابینا ڈالفن اور دریاباسیوں کی موسیقی۔ سندھو کنارے ایک سانس لیتی صبح، موبی ڈک، سرخاب اور جنگلی جانوروں کا حملہ۔ زرد گلاب، جنت کی ایک نہر، ایک طوفانی رات اور سندھو کا قہر غضب۔ پانچ دریاؤں کا سنگم اور خواجہ سائیں۔ بستی برمانی (براہمانی) سے گوٹھ براہمانی تک، خدا آباد شہر است جنت نظیر۔ وادی سندھ کی تہذیب کا مرکز، دنیا کا قدیم ترین میٹروپولس موہن جوڈیرو۔ شہر جو ہی بھی اور زمینی ندیاں، چاکر گڑھ اور مائی صدو کی پہاڑی۔ سیوستان، کنار سندھ بھگوٹو کا ایئر کنڈیشنڈ غار اور لکشمی مندر۔ منچھر کا شہر آب، میر بحروں کی بستیاں، ایک سانولی وینس۔ رنی کوٹ، عظیم دیوار سندھ، شیر گڑھ کی بلندی کو کس نے تسخیر کیا؟ کلری جھیل کی جل پریاں، مائی نوری کا بادبانی جہاز اور گھنڑوں پیر کا جزیرہ۔ شہر مظلومیت ٹھٹھ اور مکلی کا بولتا ہوا شہر خاموشاں۔ ہالیجی میں شیشے کا گھر، کنول، پرندے اور مگرمچھ۔ دیبل، سسی کا شہر بھنبھور، سندھو کی قدیم گذرگاہ اور بحیرہ عرب۔''

ڈاکٹر عباس براہمانی نے دریائے سندھ کے ساتھ سفر کر کے دریائی مناظر کی عکس گری کے علاوہ اس کے آس پاس کی آبادیوں کی حسن حیات، روایات، ثقافت، دریائی ماحول اور دور جدید کے احوال کو رپورٹ کی صورت تاریخ وادب کا حصہ بنایا۔ سفرنامہ دریائے سندھ شناسی اور پاکستان شناسی کے حوالے سے ایک دل چسپ ثقافتی دستاویز ہے۔ انداز بیان فصیح و بلیغ ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''دور مغرب میں کوہ سلیمان کے عین اوپر سورج دیوتا کا سنہری رتھ معلق تھا اور اس کے آس پاس بادلوں کے بجرے تیرتے پھرتے تھے اور پھر وہ کچھ اس انداز سے سورج کے سامنے آئے کہ ایک دھنک سی بن گئی۔ اور شوخ رنگوں کی کرنیں کوہ سلیمان پر اترنے لگیں۔ یہ چند لمحوں کا عمل تھا اور پھر وہ لکۂ ابر سورج دیوتا کے سامنے سے ہٹ گیا اور دیوتا کا کندنی وجود پہاڑ کے عقب میں روپوش ہونے لگا۔ عرشے پہ کھڑے آوارہ گردوں کی نظریں ایک دوسرے سے ٹکرائیں اور ان یاتریوں کے چہروں پہ اور آنکھوں میں قوس قزح کے رنگ تھے۔ یہاں پہلی بار ہم پہ سندھو کی وہ دہشت جو شمالی پہاڑوں میں طاری ہوتی تھی، غالب آئی۔ سندھ کی ان عظیم الشان وسعتوں میں ہماری کشتی کی حیثیت ایک کھلونے، ایک کاغذی ناؤ سے زیادہ نہ تھی۔ یہاں ہم نے سندھو سائیں کا جلال بھی دیکھا اور جمال بھی۔ قدیم دور کے انسان نے جس طرح دیوتا تراشے اور تخلیق کیے، اس کا جواز یہاں سمجھ میں آتا ہے۔ میں نے فطرت کے اس دیوتا کے حضور سلام پیش کیا۔ اس

نے مسکرا کر کہا، کانپ کیوں رہے ہو،تم میرے مہمان ہو۔تمہاری حفاظت میرے ذمے ہے‘‘ص ۱۳۲ ؎۲۰

(۱۴) بحیرہ کیسپین کے کنارے(سفرنامۂ ایران):

پروفیسر عبدالعزیز بلوچ نے ۱۸۴صفحاتی تصنیف میں اپنے دو اسفارِایران کے احوال رقم کیے۔مصنف، ایم ایس سی اور ایم ایڈ ہیں۔گورنمنٹ بوسن روڈ کالج ملتان کے پرنسپل رہے۔ان کے علمی وادبی حوالے:مضمون نگاری،خاکہ نگاری اور سفرنامہ نگاری ہیں۔تصانیف میں:’’تعارفِ مشاہیر نظم ونثر‘‘(شریک مصنف دوم)،’’تعلیمی تحقیق‘‘(شریک مصنف اول)،’’عزیزان محترم‘‘شامل ہیں۔’’عزیزان محترم‘‘ شخصیاتی خاکوں پر مبنی تصنیف ہے۔اول الذکر تصنیف اردو ادباء وشعراء کا تذکرہ جب کہ ثانی الذکر نصابیاتی معاون تصنیف ہے۔

’’بحیرہ کیسپین کے کنارے‘‘کے آغاز میں:ایک صفحاتی عرض ناشر؛نوصفحاتی دیباچہ’’سفرناموں کا سفرنامہ‘‘نوشتہ از مصنف نیز چار تقاریظ نوشتہ از: ڈاکٹر محمد بشیر انور، پروفیسر ڈاکٹر انوار احمد ڈین فیکلٹی آف آرٹس بہاؤالدین زکریا یونی ورسٹی ملتان (حال چیئرمین اکادمی ادبیات پاکستان)، پروفیسر سید اصغر علی شاہ اور علامہ فضل احمد عارف،مشمولہ ہیں۔’’دیباچہ‘‘وقیع معلومات پر مبنی سفرناموں کی اجمالی تاریخ ہے۔تصنیف کے دس ابواب اور ۷۲ ذیلی عناوین میں سے کچھ درج ذیل ہیں:۔

’’شیراز!شیراز!:زاہدان،تختِ جمشید۔نقشِ رُستم۔حافظ شیرازی۔سعدی شیرازی۔شیراز کا باغ ارم۔ایک رنگین شام خیابانِ خواجو کے نام۔شیراز کی’’ بستنیٔ (آئس کریم) باباطاہرعریاں‘‘۔روضۂ شاہ چراغ۔اصفہانِ نصف جہان:چہار باغ۔میدانِ امام۔مسجد امام۔میوزیم۔پل خواجو۔چہل ستون۔پل سی وسہ کی سیر۔اصفہان کا مینارِ جنباں۔خیابانِ ہشت بہشت۔خیابانِ زینبیہ۔بارے کچھ ذکرامیر تیمور صاحبقران کا۔تہران: میدانِ ولی عصر۔میدانِ تجریش اور کاخ شاہ۔قُم۔خیابانِ فردوسی۔قدیم شہر’’رے‘‘ کی سیر۔تہران کا ایک گدائے متکبر۔تہران اور آبِ میوہ فروشی (شربتِ ثمر)۔مشہد:امام ہشتم علی رضا۔روضۂ امام علی رضا۔ہم تو’’حاجی‘‘ ہوگئے۔طوس۔ابوالقاسم حسن بن منصور فردوسی۔شاہنامۂ فردوسی۔مشہد کا ایک بازی گر۔شاندیز!شاندیز!(مقام سیاحت)۔مشہد کا پارکِ ملت۔مشہد کا ایک گنجا گران فرش۔راہزن کہیں کا ڈاکو کہیں کا (نادرشاہ)۔نیشاپور:نظیری نیشاپوری۔قدم گاہِ امام رضا۔کمال الملک محمد غفاری۔حکیم عمر خیام۔فصلِ خربوزہ خراب می شے۔یادِ وطن از سنبل وریحان خوشتر۔شاید کہ بہار آئی:سیف اللہ پراچہ۔زاہدان میں ملتان کی کبوتر منڈی کا سماں۔پارکِ ملت اور پارکِ لالہ: شاگردانِ عزیز۔کچھ ذکر شطرنج اور حقہ کشی کا۔کیمسٹری کا پروفیسر۔تہران کا ملت پارک۔تہران کا شمال کوہِ دماوند۔تبریز:فی خاندان ایک شاعر۔بارے کچھ ذکر ملک سخن کے شہریار (تبریزی) کا۔موزۂ(میوزیم) آذربائیجان۔مشہورِ عالم پارک’’ایل گولی‘‘۔دوبھولے بادشاہ۔اردبیل:اساتذہ کرام ڈرواس وقت سے۔سرِعین(مقامِ سیاحت)۔آستارہ۔بندرانزلی۔رشت۔کتاب خانۂ ملی رشت۔رشت کے بازار میں ملتان کا سماں۔پریوں کا مسکن لاہیجان:عروس شاہ راہِ ایران رام سر۔بحیرہ کیسپین(خضر) کا کنارہ۔الفراق الفراق۔‘‘

اولیں سفرِ ایران میں چار اور سفرِ ثانی میں پانچ آدمیوں کے قافلے کا تذکرہ ہے۔دوسرے سفر کا حال صفحہ ۱۱۰ تا اختتام تصنیف ہے۔سفرنامہ کا عنوان، پروفیسر عبدالقادر احمدانی کے سفرنامۂ عراق’’دجلہ کے کنارے‘‘سے مستعار نظر آتا ہے۔شہروں کے نام پر ابواب قائم کرکے ،ان کی جزیاتی تفاصیل، ذیلی عناوین کے تحت دی گئیں۔ایران کے کوہستانوں،سبزہ وگل،چشموں،شجروحجر،دشت ودریا،سیاحتی مقامات،پارک،شہروں،قصبات،ہوٹل،بازار،پُل،میوزیم،فروش گاہوں،محلات،مساجد،کتب خانوں،ریل،جہاز،بس وغیرہ کے بارے

قدیم وجدید معلومات فراہم کردہ ہیں۔تاریخِ ایران،جغرافیہ،ادب،آرٹ،معیشت،سیاست،تمدن،اشیائے خوردونوش وپوش،مزاج،کیفیات صنعت وتجارت،حکمت وتعلیم،اماکن بہ شمول عالمی سیاست ومعیشت پرخیال آرائی ہے۔سفرنامہ کسی سیاح کا محض تاثراتی رپورتاژ معلوم نہیں ہوتا بل کہ تحریر کسی عالم فاضل اور وسیع المطالعہ شخصیت کی محسوس ہوتی ہے۔الفاظ وتراکیب اور جملے اس ادبی پیرایہ میں نظر آتے ہیں کہ مطالع بے ساختہ داد تحسین نذر کرتا ہے۔زبان وبیان کے حوالے سے اردو نثر پاروں پر دلی ولکھنو کے ادب پاروں کا گمان گزرتا ہے تاہم جدید سبک اُردو کی چاشنی بھی موجود ہے۔تحریر میں شوخی وبانکپن کا اسلوب ہے۔طنز ومزاح طرۂ امتیاز ہے۔کنایہ میں بات کرکے تحریر کو بلیغ بناتے ہیں۔عہد رفتہ اور عصر حاضر کا تقابل ہے۔اصلاحی تنقید ہے۔حکومتوں،حکومتی کارندوں اور سفارتی نمائندوں کی بے اصولیوں کو طشت از بام کیا گیا۔غلام اور آزاد اقوام کے اقدار کا موازنہ ہے۔کہیں کہیں تجزیوں میں تضاد ہے۔ایرانیوں کو بہ یک وقت متعصب اور بے تعصب دکھایا گیا۔فکری رجحان عوام وغریب پرور ہے۔سفرنامہ کی علمی افادیت وانفرادیت یہ ہے کہ یہ ایران کے فارسی و برصغیر کے اردو شعرا کے اشعار نیز علمی وادبی حوالوں سے مزین ہے۔تلمیحات کے گلاب کی جابہ جا برگ پاشی ہے۔ایران کی متحرک زندگی کو الفاظ کی تصاویر میں پیش کیا گیا۔سحر آفریں مناظر اور جنت نظیر پارکوں کے حسن کی نقشہ کشی کی گئی۔تحریر شستہ وشگفتہ ہے۔خاکہ نگاری کا رنگ جھلکتا ہے۔بہ طور نمونہ ایک نثر پارہ ملاحظہ ہو:۔

> ''طُوس میں ابوالقاسم حسن بن منصور فردوسی کی شان دار،پُرشکوہ اور نظر نواز مزار کی عمارت کے سوا ارد گرد کوئی اور عمارت موجود نہیں۔مشہد سے آنے والوں کی نگاہوں میں فردوسی ہی سمایا رہتا ہے۔قبر کا تعویز تو تہہ خانے میں ہے جو دراصل ایک وسیع وعریض ہال کمرہ ہے جس کے در و دیوار پر شاہنامہ کے مختلف اشعار اور مشہور افسانوی کردار رُستم کی لڑائیوں کے کچھ مناظر بڑی ہنرمندی سے سنگ مرمر کی بڑی بڑی سلوں (سلیٹ) پر نقش کیے گئے ہیں۔۔۔۔اس ہال کے اوپر مقبرہ کی عمارت اٹھائی گئی ہے۔۔۔۔اس عمارت کے پاس ہی عجائب گھر اور لائبریری بھی ہے مگر ہم جس وقت وہاں پہنچے یہ بند ہو چکے تھے لہٰذا فردوسی کے مزار پر فاتحہ خوانی کے بعد ہم نے زیادہ وقت ارد گرد پھیلے ہوئے باغ میں گزارا۔پھول دار بیلوں اور گھنے درختوں میں گھرے ہوئے ایک تالاب کے درمیان ایک چبوترے پر کرسی دھرے،ہاتھ میں ''شاہنامہ'' کی جلد تھامے حضرت ابوالقاسم حسن بن منصور فردوسی براجمان ہیں۔سنگی مجسمے پر زندگی کا گمان گزرتا ہے۔جی میں آیا کہ آداب بجالاؤں اور کہوں کہ آپ کا رُستم سیستان کا بلوچ تھا اور میں پاکستان کا بلوچ ہوں مگر یہ سوچ کر چپ ہو رہا کہ آنجناب کہیں پلٹ کر یہ جواب نہ دیں' کون رستم؟ کہاں کا رستم؟ یہ تو میں فردوسی ہی تھا جس نے اسے شہرت بخشی ورنہ رُستم تو سیستان کا ایک عام (آزادہ روپیل تن) پہلوان تھا اور بس۔
>
> منم کردہ ام رستمِ داستاں　　　　وگرنہ یلے بُود در سیستاں' ص:۸۴'

سفرنامہ نگار نے اردو ادب کی صنف سفرنامہ کو بہ حوالہ جدید ایران بعد از عہدِ خمینی ایک بہتر سفرنامے کا سوغات دیا۔سفرنامہ،ایران کے بارے نوشتہ جُملہ بلوچ سفرنامہ نگاروں کے سفرناموں سے فضیلت مآب نظر آتا ہے تاہم اس میں کہیں کہیں رومانی عکس بندی ہے۔اگر عبارت آرائی میں خیال ونظر کو پاک رکھا جاتا تو اس کا متنِ حُسن وزیبائی کلاسیک روپ دھار لیتا،سنجیدہ حلقوں میں مزید توقیر پاتا اور اس کی پاکیزہ ادبیت کو چار چاند لگ جاتے۔ ۲۱؎

(۱۵) سفرنامۂ ایران:

پروفیسر عبدالعزیز بلوچ نے ''بحیرہ کیسپین کے کنارے'' میں ترامیم واضافے کر کے اسے 'سفرنامہ ایران کی صورت شائع کیا۔ پروفیسر حفیظ الرحمن خان بزدار، پروفیسر عزیز بلوچ کی خاکہ نگاری اور ''سفرنامۂ ایران'' کے بابت لکھتے ہیں کہ:

''اردو سفرنامہ یوسف کمبل پوش سے، عبدالعزیز بلوچ گدڑی پوش تک پہنچتے پہنچتے کم وبیش ڈیڑھ سو برس کا سفر طے کر چکا ہے۔ عبدالعزیز بلوچ نے اپنے ادبی سفر کا آغاز شخصیت نگاری سے کیا۔... معرکے کے خاکے لکھے۔ پہلے پہل ملتان کی علمی وادبی وقومی شخصیات کے خاکوں پر مشتمل مجموعہ ''عزیزان محترم'' کے نام سے شائع ہوا۔... احباب میں جہاں کہیں کسی شخصیت کے رُخ مختلف نظر آئے عزیز بلوچ کا شوخ قلم حرکت میں آ گیا۔ اور ''لانا میر اقلم دان'' کہہ کر شخص مذکور کی پرتیں کھول کر رکھ دیں۔ گفتنی تو سب کہتے ہیں، عزیز بلوچ ادبی اسلوب میں ناگفتنی بھی کہہ ڈالتا ہے۔... بھلے بندہ ضائع ہو جائے لیکن جملہ ضائع ہونے نہیں دیتا۔ عزیز بلوچ کا دوسرا بڑا شوق سیر وتفریح ہے۔... سیر وتفریح اور خاک چھاننے کا یہی شوق عزیز بلوچ کو غالباً بیسویں صدی کے آخری عشرے میں ایران لے گیا۔ ایران جنت نشان کی سیاحت نے اس کے قلم کو ایک نیا زاویہ بخشا۔ مذاق شعر وادب کے سانچے میں ڈھلے ہوئے عزیز بلوچ نے... پہلے ''بحیرہ کیسپین کے کنارے'' کے عنوان سے سفرنامہ تحریر کیا۔... عزیز بلوچ کا ''سفرنامہ ایران'' پڑھا تو قدم قدم پر محسوس ہوا کہ اس ظالم کا قلم میری آنکھوں میں شیراز کے حسین مقامات، اصفہان نصف جہان کے قدیم آثار، خیابان فردوسی، شہر مقامات مقدسہ، نیشاپور میں نظیری، عطار، عمر خیام اور حسین خوابوں میں بسی ہوئی دنیا کے مناظر کو اتارتا چلا جا رہا ہے۔ عزیز بلوچ تین بار ایران گیا اور ہر ہر خطے کو کھلی آنکھوں سے دیکھا۔... جو کچھ دیکھا اسے نہایت شوخی بیان اور حسن ظرافت اور ادبی چاشنی کے ساتھ رقم کیا۔... مثلاً شیراز کے تذکرے میں لکھتا ہے: 'جنت کا خود ساختہ ٹھیکہ دار مذہبی محتسب، حافظ کو آسمانی بہشت میں جانے سے روک دے، ہماری بلا سے، مگر حافظ جس ارضی جنت میں محو خواب ہے، وہ جگہ بری نہیں۔' سفرنامہ ایران، میں جہاں قدم قدم پر ذوق جمال اور مذاق ادب کی تمام تر شوخ نگاہی اور چاک گریبانی کے باوجود اس کا قلم مغرب کی اسلام دشمنی پر کلمہ حق کہنے سے نہیں چوکتا۔... عزیز بلوچ کا ''سفرنامہ ایران'' خاصے کی چیز ہے۔''۲۲

(۱۶) دجلہ کے کنارے:

پروفیسر عبدالقادر احمدانی لغاری نے ۲۲۴ صفحاتی اور پانچ ابواب کی حامل تصنیف ''دجلہ کے کنارے'' میں اپنے سفرِ عراق کے احوال پیش کیے۔ مصنف، ۲۰ اگست ۱۹۲۲ء کو شیر محمد خان احمدانی کے ہاں مانکہ موضع درخواست جمال ضلع ڈیرہ غازی خان میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۱ء میں گورنمنٹ ہائی سکول جام پور سے میٹرک کیا۔ ۱۹۴۳ء میں ایف۔اے کیا۔ ۱۹۴۵ء میں زرعی کالج فیصل آباد سے بی ایس سی اور اسی کالج سے ایم ایس سی زراعت کی ڈگری لی۔ ۱۹۴۴ء میں سرسہ، حصار انڈیا سے سرکاری ملازمت کا آغاز کیا اور ۱۹۷۸ء میں ریٹائر ہوئے۔ ۱۹۷۸ء میں ہی تدریس زراعت کی خدمات پر زرعی کالج بغداد میں تعینات ہوئے۔ ۱۹۸۲ء میں مراجعت ہوئی۔ ۲۶ جون ۲۰۰۲ء کو انتقال ہوا۔ تصنیفات میں: ''تاریخ ڈیرہ غازی خان، جلد اول اور جلد دوم'' شامل ہیں۔ ''دجلہ کے کنارے'' ان کے قیام عراق دورانیہ پانچ

سال کا سیاحت نامہ ہے جس کے آغاز میں ،ایک صفحاتی ''عرض مصنف'' ہے۔اس کے ۷۹ ذیلی عناوین میں سے کچھ درج ذیل ہیں:۔
''تعارف:۔عراق کی طرف روانگی۔عراق کی انتظامیہ۔گپ شپ:۔عربی دانی۔دست شناس بننا۔استاد!بے بی۔پاؤش۔کیلے اور بچہ۔چونی اور راگ۔عرب ایک قوم ہے۔ہندیا ہندہ۔کوفہ کی جامع مسجد۔جنوب کی طرف رخ کر کے پہلی دفعہ نماز۔کوٹ پتلون پہنے امام کے پیچھے نماز۔مسافر کے لیے ایثار۔بچوں سے سابقہ۔ پروفیسر شاگردوں کے نرغہ میں۔عراق کے مذاہب:صراط مستقیم سے شرک کی طرف۔بکتاشی۔الشبک۔البارجون۔علیوی۔دروز۔بابی۔صابی۔یزیدی۔سیاحت:اُر۔عقرقوف۔تل حرمل۔کربلا معلّیٰ۔سامرہ۔نجف اشرف۔کوفہ۔ سلیمانیہ ۔غاریں۔بصرہ۔سلمان پارک۔نینوا(موصل)۔طوفان نوحؑ۔گل گامش کی کہانی۔العزیز۔تعزیرات حمورابی۔بابل۔معلق باغ۔نوشتہ دیوار۔ہاروت و ماروت کا کنواں۔دفن اور علاج ۔بابل کی سائنسی ترقی۔حضرت ابراہیم علیہ السلام۔الحضر ۔ بغداد۔قصہ آدمؑ وحوا۔سیمری۔گدھ والا کتبہ۔عراقی تاریخ کا خاکہ:عراقی معاشرہ۔مخاطب ہونے کے الفاظ۔ہفتہ کے دن۔جاڑہ،گرمی اور مویشی۔مہمان کے پاؤں دھونا۔احساس خودداری۔یزید۔کُرد۔مساجد۔عربوں کے نام۔عرب نسل۔پہچان''۔

تصنیف میں :تاریخِ عراق،جغرافیہ،مشہور مقامات، سیاحت ، مذہب،ثقافت،معیشت ،معاشرت ، حکومت،تعلیم،شب وروز اور زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی۔سفرنامہ،قدیم وجدید عراق کا آئینہ ہے۔اہم عراقی مقامات کی تصاویر مع اردو کیپشن مشمولہ ہیں۔عراق پر امریکی حملہ کے بعد اس کی تاریخی اہمیت دوچند ہے کہ اس میں سابقہ خوش حال عراق کے احوال اور مناظر کی نقشہ کشی ہے۔اس کی تدوین میں عربی ،اردو کی گیارہ اور انگریزی کی سترہ کتب سے مدد لی گئی۔کہیں کہیں کتابتی تسامحات کی نشان دہی ہوتی ہے۔ ہلکا پھلکا،شگفتہ اور سادہ انداز نوشت ہے۔مدائن کے حوالے سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''(سلمان فارسیؓ)حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں مدائن کے گورنر مقرر ہوئے۔آپ نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ایک روز ایک آدمی نے انہیں مزدور سمجھ کر ان کے سر پر اپنا سامان رکھ کر چلنے کو کہا۔راستے میں گورنر صاحب کو سامان اٹھائے دیکھ کر لوگ چلا اٹھے کہ یہ تو گورنر ہیں،تم نے ان سے سامان کیوں اٹھوایا؟لوگوں کے اصرار کے باوجود فرمایا کہ گورنر کا فرض انسانوں کی خدمت کرنا ہے۔اب تو میں ان کا سامان گھر تک پہنچا کر ہی رہوں گا۔آپ نے مدائن میں انتقال فرمایا جو بغداد سے ۳۷ کلو میٹر جنوب مشرق میں واقع ہے۔''ص:۱۳۹ ۲۳؎

(۱۷) حج بیت الله:

پروفیسر الحاج غلام فرید قیصرانی نے ۱۵۰ صفحاتی تصنیف ''حج بیت اللہ''میں اپنے اسفارِ حج ۲۰۰۶ءاور ۲۰۰۸ء کے احوال رقم کیے۔مصنف، بلوچ قبائلی علاقہ تمن قیصرانی ،مٹھاون، ڈیرہ غازی خان کے سکونتی ہیں۔ جونیئر ورنیکلر ٹیچر کی حیثیت سے سرکاری ملازمت کا آغاز کیا۔بیس سال تک قبائلی کوہستانی علاقہ: کھر راکھی منہ تُمن لیغاری،بستی نہڑ خان تُمن گورشانی ،مٹھاون وغیرہ میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ایم اے اُردو کیا۔اُردو کے لیکچرر تعینات ہوئے۔چند اردوئی مضامین مجلّات واخبارات میں شائع کرائے۔۳۱ دسمبر ۲۰۰۶ءکو گورنمنٹ ڈگری کالج تونسہ شریف سے بہ عمر ساٹھ سال ملازمت سے سبک دوش ہوئے۔

''حج بیت اللہ'' میں بیش تر روئیداد ۲۰۰۸ء کے سفرِ حج کا ہے جو ۲۲ نومبر ۲۰۰۸ء کو بستی مٹھاون سے شروع ہو کر ڈیرہ غازی خان، لاہور، جدہ، مکہ

معظّمہ، مدینہ منورہ تک اور واپسی پر ۴ جنوری ۲۰۰۹ء کو اختتام پذیر ہوتا ہے۔ تصنیف ابواب سے معریٰ اور تحریرِ مسلسل کی صورت ہے۔ تاہم چوالیس ایامِ سفر کے احوال کو تاریخ وار پیش کیا جسے روز نامچہ بھی کہہ سکتے ہے مگر سرگذشتِ سفر ہے۔ اس میں اجمالی طور پر پاس پورٹ، ایئرپورٹ کے مراحل، جہاز کا سفر، سرزمینِ عرب، مناظر بیت اللہ شریف و مسجدِ نبویﷺ، احوالِ مقاماتِ مقدسہ و زیارات، مکہ مکرمہ کے محلّہ جات، اُمہات المومنین، مساجد، اسطوانے، جبال، وادیاں، عبادات، طواف، حج، قربانی، کیفیات، احساسات، روزمرہ معمولات، رہائش، خوردونوش، مشاہدات، معاصر حالات، رشتہ داروں، احباب اور ساتھی حجاج کا ذکر ہے۔ تاریخی کتب از قسم قصص الانبیاء اور تاریخ مکۃ المکرّمہ سے روایات مرقوم ہیں۔ متن میں اشعارِ اردو و فارسی اور انگریزی الفاظ کا استعمال ہے۔ کہیں کہیں جولانیٔ طبع سے ادبی رنگ بہار دکھاتا ہے۔ مجموعی اسلوبِ بیان سادہ، شستہ، عقیدت مندانہ اور ایمان افروز ہے۔ دو نثر پارے بہ طورِ اسلوبِ نوشت ملاحظہ ہوں:

(۱) ''۶ دسمبر ۲۰۰۸ء: کو مکہ پاک میں سورج نے شعاعیں بکھیریں اور منتظمین کی طرف سے اعلان ہو چکا کہ آج عشاء سے احرام اور نیتِ حج کر لیجیے۔ رات گئے کبھی بھی مکتب کی بسیں آسکتی ہیں۔ البتہ اس مرتبہ مکان، دورانِ رہائشِ مکہ پاک، ایک ہی رہا۔ بعد نمازِ عشاء حالتِ احرام میں جمیع حاجی تیار بیٹھے ہیں۔ واضح رہے کہ روانگی منیٰ، عرفات (اور) مزدلفہ مکتب کی بسیں لے آتی اور لے جاتی ہیں۔ کوئی خاص ترتیب نہیں ہوتی۔ جو حجاج فوراً بس میں داخل ہو جائیں تو ٹھیک ورنہ ڈرائیور بس میں پوری سواری کا اندازہ کر کے گیٹ بند کر دیتے ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ سال گذشتہ ہم مکہ سے منیٰ پیدل گئے تھے، سُکھی رہے۔'' ص: ۳۹

(۲) ''۲۶ دسمبر ۲۰۰۸ء: بالآخر جمعہ شریف کا بابرکت دن آ گیا۔ قسمت نے ایک مرتبہ پھر مسجدِ نبویؐ میں نماز جمعہ کا خطبہ سننے اور نماز پڑھنے کی سعادت اور اجازت دے دی۔ سالِ گزشتہ جب نمازِ جمعہ مسجد میں ادا کی تھی تو مسجدِ نبویؐ کا امام تقریر اور خطبہ کے دوران زار و قطار رونے لگا۔ چوں کہ ان دنوں ابھی ہمیں واپس مکہ پاک جانا تھا اور ایام حج بعد میں تھے، عربی جاننے والے دوستوں سے معانی و مطالب پوچھے تو بتایا گیا کہ امام مسجدِ نبویؐ: میدان عرفات میں موجود حجاج، ان کی آہ و زاریاں اور اللہ رب العزت کی طرف سے ان پر کیے جانے والے انعامات کا ذکر کر رہے تھے۔ اب رات ختم ہوگئی۔ مسجدِ نبویؐ کے میناروں سے اللہ اکبر کی روح پرور کی صدائیں گونجیں۔ میری حیاتِ مستعار کے اُڑتے ہوئے لمحات میں تیزی آئی۔ کشاں کشاں مسجد میں پہنچے۔ تہجد ہوئی۔ نمازِ فجر بھی خوب صورت تلاوت سے رنگین ہوئی۔ امام مسجدِ نبویؐ کی خوب صورت تلاوت نے وہ رس گھولا جو امر بن گیا۔ یہی صوتی لہریں میری موجِ حیات میں خوش بو، پھولوں کی مہک، میری جسم کی وادی میں آب جو، میری رگوں میں لہو بن کر دوڑیں۔ جب یہ صوتی لہریں دل کے ویرانے میں داخل ہوئیں تو تاحدِ نظر چراغاں کا عالم نظر آنے لگا۔'' ص: ۱۰۳

سفرنامہ، قیصرانی بلوچ قبیلہ کی اُردو نگار شخصیات کی طرف سے اُردو نوشتہ دوسرا سفرنامۂ حج ہے کہ پہلا ۸۹ صفحاتی ''عزمِ حرم یا سفرنامۂ حج ۱۹۸۳ء'' استاذ اللہ بخش قیصرانی بن محمد مٹھا ساکن مٹھاون کا نوشتہ ہے۔ سفرنامہ، اردوئی اثاثہ کے مذہبی سفرناموں میں ایک دل چسپ اضافہ ہے تاہم اس میں ساختِ جُملہ اور کمپوزنگ کی املائی تسامحات برقرار ہیں۔ کہیں کہیں تحریر یاسیت کا مظہر ہے۔ حسنِ بیان، ادبی

پیرایہ اظہار اور اُردو کے منفرد مزاجِ نوشت پر گرفت کے موجب پروفیسر حفیظ الرحمٰن خان بزدار کا سفرنامہ ''سجدہ ہر ہر گام کیا'' اس سے فضیلت مآب نظر آتا ہے۔ ۲۴

(۱۸) سپنوں کا بھنور:

نعیمہ جمالی نے ۲۳۷ صفحاتی تصنیف ''سپنوں کا بھنور'' میں سفر و سیاحت جرمنی کے احوال رقم کیے۔ آغازِ تصنیف میں مصنفہ کا دو صفحاتی ''حرفِ چند'' نوشتہ ہے۔ تصنیف کے موضوعات میں: ''نئے افکار کی سرزمین۔ کھنڈرات پر عظیم ملک کی تعمیرِ نو۔ قدیم عہد، نیا دور، قومی ریاست کا ظہور۔ جنگِ عظیم اول۔ جنگِ عظیم دوم۔ کولون جہاں خوش بو بہتی ہے۔ برلن لاوارث دلہن۔ دیوارِ برلن۔ نغموں میں بھیگے ہوئے شہر۔ بون گرجا اور عجائب گھروں کا شہر۔ ڈوزلڈورف۔ روشنیوں کی بستی۔ ہائیڈل برگ۔ دل فریب نظاروں کا مرکز کارنیوال۔ یہ صراحی میں پھول نرگس کا۔ جرمن عورت۔ یہ بچہ کس کا ہے؟۔ راہ آگہی۔ دوسرا آدمی۔ ریڈیو اور ٹیلی وژن۔ فلسفہ۔ ادب۔ آرٹ۔ دیس کی جانب'' شامل ہیں۔

بلوچ مصنفہ، جرمنی میں حصولِ تعلیم کے لیے مقیم رہیں۔ انہوں نے جرمنوں کی مملکت، معاشرت، تاریخ، ادب و ثقافت کا جائزہ لیا۔ یہ جائزہ صرف مغربی جرمنی کا ہے جس کے ساتھ اس وقت مشرقی جرمنی کا الحاق نہ ہوا تھا اور دیوارِ برلن قائم تھی۔ دورانِ تعلیم انہیں جرمنی کے مختلف علاقوں میں جانے کا موقع ملا۔ اپنے مشاہدات و محسوسات کو رقم کیا۔ تصنیف، یکم فروری ۱۹۷۹ء کو مکمل کر لی گئی جب کہ قبل ازیں اس کے مختلف حصے مکتوب کی صورت: ''سندھ نیوز حیدر آباد'' اور ''سندھ آبزرور'' میں شائع کرائے گئے۔ مصنفہ نے دورانِ تعلیم: ''جرمن تاریخ اور ادب'' پر اپنا تحقیقی و تعلیمی مقالہ لکھا، جس کا خلاصہ بھی سفرنامہ کا حصہ ہے۔ مصنفہ کے خیال میں مغرب کے بعض عوامل، ہمیں سپنوں کی طرح غیر حقیقی محسوس ہوتے ہیں۔ ہم ان کی خوش حالی کو دیکھ کر متاثر ہوتے ہیں مگر بعض امور ایسے ہیں جن سے مغربی معاشرہ بیزار ہے اور ایسے امور سے جان چھڑانا ان کے لیے مسئلہ بن گیا ہے۔ وہ ان مسائل میں بھنور کی طرح پھنس کر رہ گئے ہیں۔ اندازِ تحریر، تجزیاتی اور معلوماتی ہے۔ تحریر میں جرمن الفاظ و اصطلاحات اور اسما بکثرت ہیں۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''اہلِ یونان سے، جرمنوں نے جو اہم سیاسی طرزِ حکومت اپنائی اور جو آج بھی مغربی جرمنی میں بدستور قائم ہے، وہ ہیں شہری ریاستیں۔ اہلِ یونان نے جا بہ جا جمہوری اصولوں کی بنا پر شہری ریاستیں قائم کیں۔ سپارٹا، کارنتھ اور تھیبس قابلِ ذکر ہیں۔... یونان کی طرح جرمنی ... پہاڑی علاقہ ہے اور چھوٹی چھوٹی وادیوں کی صورت میں پہاڑوں میں واقع ہے۔'' ص: ۳۰

مصنفہ نے یورپی مملکت جرمنی کے بارے میں ایک معلوماتی اور دل چسپ سفرنامہ پیش کیا جو کسی بلوچ سفرنامہ نگار کا اولیں اردوئی سفرنامہ ہے۔ ۲۵

(۱۹) بلتستان سے چولستان تک:

ڈاکٹر کریم بخش چنگوانی نے ۲۳۶ صفحاتی اور سات حصص کی حامل تصنیف ''بلتستان سے چولستان تک'' میں اپنے ۱۹۹۷ء کے اسفارِ بلوچستان، چولستان اور بلتستان کے احوال پیش کیے۔ مصنف، چوٹی زیریں، ڈیرہ غازی خان کے سکونتی، ایم بی بی ایس ڈاکٹر اور ماہر امراضِ چشم ہیں۔ ابتدائی تعلیم اسی قصبہ سے حاصل کی۔ ۱۹۹۲ء میں میٹرک کیا۔ فی الوقت فیصل ہسپتال، فاضل پور، ضلع راجن پور میں طبی

خدمات انجام دے رہے ہیں۔سفرنامہ کے آغاز میں ۳صفحاتی ''حرفِ تشکر'' از مصنف ؛ ۱۰ صفحاتی مقدمہ نوشتہ از جہاں گیر مخلص احمد پور شرقیہ ؛ چار صفحاتی تقریظ ''برفانی چوٹیوں اور تپتے صحراؤں کی کہانی، ڈاکٹر کریم بخش کی زبانی'' نوشتہ از تاج محمد گوپانگ ایڈووکیٹ نیز ایک صفحاتی تحریر از اسامہ تھنابے جاپان کی، پیش کردہ ہیں۔اس کے موضوعات میں:

''ٹریکنگ۔بلندی کے لحاظ سے چوٹیوں کی ترتیب۔دنیا کے بلند اور وسیع گلیشیئر۔دنیا کی بلند ترین چوٹی۔ٹریکنگ کے تین اصول۔ٹریکنگ کا موسم۔تیاری۔پی ٹی ڈی سی۔انشورنس۔ریسکیو۔ویزا پرمٹ۔کپڑے اور سامان۔ سنولائن۔سن ہیٹ۔خوراک ۔پورٹر، گائیڈ، کک۔اخراجات۔ذریعہ سفر ۔ بلتستان۔زبانیں (بلتی ، شینا، بروشاسکی ،کھوار، واخی، ہندکو)۔سکردو۔قلعہ کھرپوچو۔ست پارہ جھیل۔کچورا جھیل۔گھر سے روانگی۔فورٹ منرو اور ماڑی۔کِلر ماؤنٹین۔ہنزہ ان۔التِت ۔اسکردو سے اسکولے۔اسکولے سے کوروفون۔ کوروفون سے جھولا۔جھولا سے باردومل۔باردومل سے پائیو۔غاریں۔پائیو سے للّی گو۔للّی گو سے خابستی۔خابستی سے اردوکس۔اردوکس سے گورو،ا۔گورو،ا، سے کنکورڈیا۔کنکورڈیا سے کے۔ٹو بیس۔برفانی ریچھوں کا حملہ۔ڈیتھ ڈراپ پر چڑھائی۔اسکولے میں شیر۔میڈیکل گائیڈ ۔بلندی کے اثرات۔سنو بلائینڈنس۔سن برن۔دمہ۔نمونیا۔دل کا دورہ۔ٹائیفائیڈ۔فراسٹ بائیٹ۔ چولستان۔روہی روانگی۔چنن پیر کا میلہ۔برقعہ شہید کا میلہ۔ڈھوری چیک پوسٹ۔قلعہ بجنوٹ۔قلعہ خان گڑھ۔بدھن سائیں کا میلہ۔قلعہ ڈیراور۔پتن منارا۔چولستان کے مشہور قلعے۔ٹی وی انٹرویو' ودیگر شامل ہیں۔

تصنیف کی افادیت وضرورت کے بارے، مصنف لکھتے ہیں:

> ''میں نے محسوس کیا کہ آسان اور سلیس اردو زبان میں ایک کتاب شائقین حضرات کی رہنمائی کے ضروری ہے جو شمالی علاقہ جات، کوہ سلیمان کی سیر وسیاحت کرنا چاہتے ہیں۔'' ص:۱۱

سفرنامہ کے اندازِ تحریر کے بارے، تاج محمد گوپانگ رقم طراز ہیں کہ:

> ''یہ کتاب... عام سفرنامہ نہیں جس میں کوڑی سچی کہانیاں ہوں۔یہ ایک ڈاکٹر کا تجربہ ہے۔اس میں بلو چکے حال احوال کا سٹائل ہے۔... کتاب معلومات کا ذخیرہ ہے۔... قاری کو تھکا تا نہیں بلکہ ...اپنا ہم سفر بنا دیتا ہے۔پڑھنے والا اتنا منہمک ہو جاتا ہے کہ جب ہم کتاب میں کنکورڈیا تک پہنچتے ہیں تو گھر بیٹھے اپنے جسم میں سردی محسوس کرتے ہیں۔'' ص:۲۶

مصنف نے ،سفرنامہ نگاری میں، ڈاکٹر عباس براہمانی کی روایت کو توسیع دی۔جغرافیائی حوالے سے: فورٹ منرو، ماڑی، دراگل، کے ٹو، مشے بروم، گشے بروم، نانگا پربت ، اسکردو، گلگت، سوات، چترال، ترچ میر کافرستان ،کاغان، ناران، درہ بابوسر، درہ خنجراب ، چولستانی صحرائی قلعوں کے بابت مشاہدات ،معلومات نیز مبہم جویانہ روز وشب کے احوال، رپورتاژ گائیڈ بک کی صورت فراہم کیے۔سفر کی تیاری ، ضروریات، مشکلات کے بارے ہدایات درج کیں۔تصنیف کو، واقعہ نگاری اور منظر نگاری کے پہلوؤں سے دل چسپ بنایا گیا۔مختلف مقامات کی رنگین تصاویر مع اردوئی کیپشن اس کا حصہ ہیں تاہم متن میں جا بہ جا، انگریزی الفاظ وتراکیب کی آمیزش نظر آتی ہے۔اس کے ۱۰۰ موضوعات میں سے تہائی کے لگ بھگ عنوانات انگریزی میں ہیں۔اسلوب تحریر برجستہ ہے۔دو اقتباسات ملاحظہ ہوں:

(۱) ''رائے کوٹ گلیشئر کی پتلی تہہ کے نیچے نانگا پربت ۲۶۶۵۶ فٹ کا بہتا ہوا پانی ایک ایسا منظر تھا جس سے ڈر کر میں آج بھی رات کو ہڑ بڑا اٹھتا ہوں۔ برف کی اس پتلی تہہ پر جب میں نے ۱۰ کلوگرام وزنی پتھر پھینکا تو وہ برف کو توڑتا ہوا پانی میں جا گرا۔ پھر بھی میں کلمہ طیبہ پڑھ کر اور آنکھیں بند کر کے درود شریف پڑھتا ہوا اس کے اوپر سے گذر گیا۔'' ص ۵۷

(۲) ''صبح کی ٹھنڈ میں زیرو ڈگری سے کئی درجے نیچے پتھروں اور برف کے ٹکڑوں کے باوجود ''دیومور دو'' کا یہ تیز بہاؤ ہمارا راستہ نہ روک سکا۔ تقریباً ۳۰ منٹ بعد ہم جھولا پر پہنچ گئے۔ جھولا، پل صراط کا منظر پیش کر رہا تھا۔ تار پر لٹکا ہوا لکڑی کا چھوٹا ساتختہ جس پر بیٹھ کر آپ گردن بھی سیدھی نہیں کر سکتے اور اپنے سامان کو بھی ساتھ تھامنا ہوتا ہے ۔آپ تنہا وحشی دیومور دو کے عین درمیان میں پاؤں لٹکائے بے یار ومددگار بیٹھے ہیں جہاں اس قدر شور ہے کہ کوئی آپ کی آواز نہیں سنتا، اٹھتی اور آپس میں گتھم گتھا ہوتی خون خوار لہریں اور ان لہروں میں اچھلتے اور ٹکراتے ہوئے برف کے تودے اور پتھر ہر چیز کو پیس کر رکھ دیتے ہیں۔ قریب ہی پڑے ہوئے Panmah گلیشیئر کا یخ بستہ اور بلندی سے گرتا ہوا پانی اور یہ سارا منظر انسان کو اس کے خالق کے بالکل قریب کر دیتا ہے۔'' ص ۷۷

ڈاکٹر عباس براہمانی کے سفرنامے، فنی پختگی اور ادبی پیرایہ اظہار میں، اس سے سبقت لیے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ۲۶

(۲۰) فارس کا مسافر:

نور خان محمد حسنی نے ۹۶ صفحاتی اور ۱۴ موضوعات کی حامل تصنیف ''فارس کا مسافر'' میں اپنے دو اسفارِ فارس وایران ۲۰۰۰ء اور ۲۰۰۲ء کے احوال پیش کیے۔ آغازِ تصنیف میں ایوب بلوچ کی دو صفحاتی تقریظ بہ عنوان ''بلوچیالوجی کی سائنس''، نیز ''پہلی بات'' کے تحت سفرنامہ نگار کا خود نوشتہ دیباچہ ہے۔ بیک ٹائیٹل پر تقریظ افضل مراد کی ہے جس میں وہ لکھتے ہیں کہ:

''سفرنامہ صنف کے اعتبار سے بلوچی حال احوال کا تسلسل دکھائی دیتا ہے جس میں احوال دینے والا اپنے سفر کے لمحات کی کہانی، دھوپ چھاؤں اوڑھے پوری سچائی کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ نور خان اپنے سفر کے احوال میں انسانی رویوں، زبانوں، رنگوں، ثقافتوں، روایتوں اور احساسات کو ہم تک پہنچاتا ہے۔ فارس کا مسافر نور خان کی ایران شناسی کی ایک خوب صورت دستاویز ہے۔'' بیک ٹائیٹل۔

تقریظ میں ایوب بلوچ لکھتے ہیں کہ:

''فارس کا مسافر پڑھ کر محسوس ہوتا ہے جیسے شعور کی ندی میں مشاہدے کے بہتے پھول ٹھہر ٹھہر کر نظر کے سامنے سے گذر رہے ہوں۔ عام طور پر نور خان کے سفرنامے Balo Centric ہوتے ہیں۔ بین الاقوامی تناظر میں لکھی گئی ایسی تحریریں پڑھ کر محسوس ہوتا ہے جیسے ہم Balochaelogy کی سائنس کو روشناس کرانے سے محض چند قدم دور ہیں۔'' ص:۵

سفرنامہ کے ابتدائی ۲۸ صفحات میں تین عنوانات: ''ماضی کے جھروکے''۔ ''شعور کا سفر''۔ اور ''صبح نو'' کے تحت سفر کا پس منظر،

ایران کی عہد بہ عہد مختصر تاریخ اور معاصر احوال پیش کیے گئے۔ سفرِ ایران میں مصنف کا قیام: زاہدان، اصفہان، مشہد، تہران اور ان کے نواح میں رہا۔ اپنے سفرنامہ میں انہوں نے تخت جمشید کے آثار (شیراز)، داریوش کا مقبرہ (شیراز)، حافظ شیرازی کا مزار، کاخ چہل ستون (اصفہان)، روضہ مبارک امام علی رضا (مشہد)، مینار جنباں، فردوسی کا مزار (طوس)، نادر شاہ کا مزار (مشہد)، عالی قاپو پیلس، نقش رستم وسہراب، زندان ہارون، پل سی اوسہ (اصفہان)، کوہ البرز، مزار امام خمینی (قم)، بہشت زہرا، سعدی، خواجو کرمانی، قلعہ کریم خان کُرد (شیراز) جیسے مقامات کے احوال دنیائے اردو تک پہنچائے۔ انہوں نے بعد از انقلاب ایران، ایرانی معاشرہ اور اس کی معیشت کا مشاہدہ کیا۔ اہم تاریخی عمارات کی رنگین تصاویر مع اردو کیپشن شامل تصنیف کیں۔ ان کا اسلوب تحریر سادہ، دل چسپ اور پُراز معلومات ہے۔ ایک نثر پارہ ملاحظہ ہو:۔

''رام سر سے تہران کا سفرے سے ۸ گھنٹے کا ہے۔ ہم جب روانہ ہوئے تو بارش ہو رہی تھی۔ بارش کی بوندوں نے سبزے میں مزید نکھار پیدا کر دیا تھا۔ اس علاقے میں چاول کی فصل بھی ہوتی ہے۔ چاول کی فصل اگست کے مہینے میں کٹنے کے لیے تیار تھی۔ بس واپس چالوس آ کر کوہ البرز کے پہاڑی سلسلے کی طرف مڑ گئی۔ واہ! کیا کیا شان دار مناظر ہمارے سامنے سے گزر رہے ہیں۔ سڑک کے کنارے سے لے کر تا حدِ نگاہ سایہ دار درختوں کے جنگلات۔ ہر طرف سبزہ ہی سبزہ۔ کہیں پہاڑی جھرنے، آبشار تو کہیں پہاڑی نالے سے بارش کا برسنے والا پانی بہہ رہا ہے۔۔۔۔ تاریخ کہتی ہے کہ بلوچوں کے بعض طائفے۔۔۔ کوہ البرز سے آئے ہیں۔۔۔۔ اب کوہ البرز کی چوٹی کی طرف جانے کا سفر شروع ہوا۔ یہ بڑا ہی خوف ناک اور سنسنی خیز سفر تھا۔ بس ایک دائرے میں چوٹی کی طرف جانے لگی۔ اگر خدانخواستہ بس میں کوئی خرابی ہو جاتی یا ڈرائیور سے کوئی کوتاہی ہوتی تو ہم کوہ البرز کا شکار ہو چکے ہوتے۔ ہم پہاڑ کی چوٹی پر صحیح سلامت پہنچ گئے۔ اس کے بعد دو گھنٹوں تک ہم وارسطح پر سفر کیا۔ یہ پہاڑ اتنے بلند ہیں کہ ہمارے یہ دو گھنٹے بادلوں میں سفر کرتے گزرے۔ اس سے آپ پہاڑ کی بلندی اور بادلوں کی وجہ سے دھند اور پھسلن کے امکانات کے بارے میں بہ خوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔۔۔۔ ہمارے دلوں پر کوہ البرز کی چوٹی کی دہشت کی دھاک بیٹھ گئی۔ جب ہم نشیب کا سفر ختم کر کے پہاڑی سلسلے سے باہر نکلے ہی تھے تو اپنے آپ کو تہران کے نواح میں موجود محسوس کیا۔۔۔۔ تہران ایران کا دارالحکومت ہونے کے ناطے ایک جدید شہر ہے۔ یہ ایران کا Nerve Centre بھی ہے۔ آبادی کے لحاظ سے بڑا شہر ہونے کے باوجود اس کے ٹریفک میں بے ہنگم شور اور بے ربطگی نہیں ہے۔ کسی بھی قوم کے منظّم یا غیر منظّم ہونے کا اندازہ وہاں کے ٹریفک سے بہ خوبی لگایا جا سکتا ہے۔'' ص:۵۸

'فارس کا مسافر' ڈاکٹر عباس براہمانی کے 'ایورسٹ کے دیس میں' ڈاکٹر شاہ محمد مری کے 'چین آشنائی' اور ڈاکٹر کریم بخش چنگوانی کے 'بلتستان سے چولستان تک' کے سفرناموں سے مختصر ہے۔ آخر الذکر میں انگریزی الفاظ کی توفیر ہے جب کہ 'فارس کا مسافر' نسبتاً شستہ اردو کا آئینہ دار ہے۔ ۲۷

(۲۱) ہمہ یاران بہشت:

نور خان محمد حسنی نے اپنے سفرِ ترکمانستان ۱۹۹۸ء کے احوال کو ''ہمہ یارانِ بہشت'' کی صورت پیش کیا جو سفرنامہ ''فارس کا مسافر''

سے قبل کا نوشتہ ہے۔ انہوں نے سفرِ ترکمانستان کے فوراً بعد ایک مضمون بہ عنوان: ''ترکمانستان اور ماری کے بلوچ ایک جائزہ'' ماہتاک بلوچی لبز انک حب بلوچستان، جون جولائی ۱۹۹۸ء، سال ۹، شمارہ ۵۷ میں شائع کیا تھا۔ ترکمانستان میں ستر ہزار کے لگ بھگ بلوچ صوبہ مری رماری میں آباد ہیں جن میں زیادہ تعداد رخشانیوں کی ہے۔ یہ بلوچ ایک صدی قبل پاکستانی بلوچستان، ایرانی بلوچستان اور افغانی بلوچستان چاغی، ہرات، ہیلمند، نیم روز، گورگان، مازندران سے مال مویشی کے ساتھ قافلوں میں صورت وہاں جا کر آباد ہوئے۔ روس نے ۱۹۱۹ء میں بالشویک انقلاب کے دور میں اس علاقے پر قبضہ کیا تھا۔ گیفر برگ اور پیکولین وینکوف نے اس علاقے میں ۸۴ بلوچ قبائل کا تذکرہ کیا۔ ۱۶ براہوئی بلوچ قبائل بھی اس علاقے میں آباد ہیں۔ محمد شیر دل بلوچ، صوبہ مری کی سرکردہ شخصیت ہیں۔ اس صوبے میں بلوچی: روسی رسم الخط میں لکھی اور پڑھی جاتی ہے۔ ترکمانستان، جس کا صدر مقام اشک آباد، آبادی ۴۵ لاکھ اور رقبہ پاکستان سے قدرے کم ہے، کو ۲۷ اکتوبر ۱۹۹۱ء میں آزادی ملی۔ نور خان محمد حسنی نے اپنے سفرنامہ میں اسی ملک کے بارے، مفید معلومات اردو میں پیش کیں۔ سفرنامہ کے آغاز میں'' صحرانورد'' کے عنوان سے نامور شاعر و ادیب اور بلوچستان کے سابق گورنر امیر الملک مینگل کا تبصرہ ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

> ''کتاب ترکمانستان کے بارے میں اور خاص کر وہاں رہائش پذیر بلوچوں کے بارے میں دل چسپ انکشافات کی حامل ہے۔ مصنف کے دل فریب انداز تحریر سے یہ لگتا ہے کہ اشک آباد سے لے کر مری شہر یا موروتک کے تمام باشندے اس کے انتظار میں چشم براہ تھے''۔
>
> ''تصنیف میں ترکمانستان کی تاریخ، جغرافیہ، وہاں کے ثقافتی اور تہذیبی اتار چڑھاؤ، وہاں کے لوگوں کے مزاج، بودو باش، تعلیم اور معاشی حالات غرضیکہ... ہر انداز سے مصنف نے چند روزہ سفر کے واقعات کو بامعنی اور پر مغز طریقے سے بیان کیا۔... زرتشت مذہب کے بارے میں معلومات Victor Evanovitch کے ریسرچ اور مروٗ سے برآمد شدہ اشیاء کے اشکال اور ان کی بلوچستان کے مختلف آثار قدیمہ سے برآمد ہونے والی اشیاء سے مماثلت کافی حد معلومات افزا اور قابل غور ہیں۔ کتاب کو پڑھنے سے روسی انقلاب کی ناکامی کے بعد کے عمومی حالات کا اندازہ ہوتا ہے''۔ ۲۸

ماحصل:

متذکرۃ الصدر سفرناموں سے مستزاد، استاذ اللہ بخش قیصرانی (۱۹۸۳ء) کا ۸۹ صفحاتی ''عزمِ حرم یا سفرنامہ حج'' نوشتہ ہے ۲۹۔ محمد شیر کوہ قیصرانی (۲۰۰۷ء) نے ''سفرنامہ بلوچستان تا کیوبا'' رقم کیا ۳۰۔ محمد یعقوب خان بلوچ (۲۰۰۸ء) نے سفرنامۂ حج ''سوزِ ناتمام، روئیداد زیارتِ حرمین شریف'' کی صورت، قسط وار روزنامہ نوائے وقت میں شائع کرایا۔ اُردو سفرناموں میں بلوچ اہل قلم نے اپنی جولان گاہ سے کرۂ ارض کے ایک بڑے حصے کے بارے میں معلومات فراہم کیں۔ ان کے سفرناموں کا منظر نامہ براعظم ایشیا، یورپ اور لاطینی امریکہ جیسے براعظموں نیز ترکی، شام، عراق، سعودی عرب، ایران، ترکمانستان، روس، چین، نیپال، پاکستان، جرمنی اور کیوبا جیسے مملکتوں تک پھیلا ہوا ہے۔ انہوں نے جن ممالک کے اسفار کیے ان کے بارے معلومات، مشاہدات ومحسوسات کو اردو میں زیب قرطاس کیا۔ بیسویں صدی کے آخری ربع اور اکیسویں صدی کے عشرہ اول کے عصری نقوش عکس بند کر کے دنیائے

اُردو کا مستقل حصہ بنایا۔ان میں سے ہر سفر نامہ نگار کا اپنا اپنا اسلوب نگارش ہے۔اولیں اُردو سفر نامہ ''سپنوں کا بھنور'' ۱۹۸۱ء میں ایک بلوچ خاتون نعیمہ جمالی نے شائع کیا۔اس کے بعد سترہ بلوچ سفر نامہ نگاروں نے ۲۴ اُردو سفر نامے رقم کیے۔مجموعی تعدادِ صفحات ۳۷۱۲ سے متجاوز ہے۔زیادہ تر سفر نامے پاکستان،ایران اور سعودی عرب کے لکھے گئے۔چند انگریزی سفر ناموں کو اردو ترجمہ کا روپ دیا گیا۔سب سے زیادہ اُردوئی سیاحت نامے ڈاکٹر عباس براہمانی نے لکھے۔بلوچ اہل قلم کی طرف سے اُردو سفر ناموں میں سال بہ سال اضافہ ہو رہا ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ واذ قال ربک للملٰئکۃ انی جاعل فی الارض خلیفۃ۔۔۔وقلنا اھبطو (القرآن:۱:۳۰۔۳۹)۔

۲۔ سُبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلاً من المسجدالحرام الی المسجدالاقصا(القرآن:۱:۱۷)نیز:والنّجم اذاھوی۔۔۔ (القرآن: ۱:۵۳۔۱۸)۔

۳۔ حکم چند،منشی،اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر(۱۸۷۶ء/۱۹۹۲ء)تواریخ ضلع ڈیرہ غازی خان،طبع دوم،کراچی،انڈس پبلی کیشنز ،فرید چیمبرز،عبداللہ ہارون روڈ،ص:۶۵

۴۔ ہتورام،رائے بہادر لالہ(۱۹۰۷ء/دسمبر ۱۹۸۷ء) تاریخ بلوچستان،طبع سوم،لاہور،وکٹوریہ پریس/بلوچی اکیڈمی کوئٹہ،ص: ۳۶

5. Long Worth Dames, M (1907)Popular Poetry of the Baloches, London, Folk Lore Society, David Nutt, 57-59 Long Acre, P.59

۶۔ (القرآن:۲۷:۶۹) نیز:(القرآن:۳۰:۴۲)۔

7. L. Mary Barker, Editor(1957-58) Pears Cyclopaedia, 66th Edition, Middlesex, A. & F. pears Limited, Isleworth. P.79

۸۔ حفیظ الرحمٰن خان (جنوری ۲۰۰۴ء) سجدہ ہر ہر گام کیا،لاہور،بک ہوم،بک سٹریٹ،۴۶۔مزنگ روڈ۔

۹۔ خادم حسین لغاری،پروفیسر(۲۰۰۸ء)زندگی کا سفر،ڈیرہ غازی خان،اختر عباس لغاری،سیکرٹری لغاری ویلفیئر ٹرسٹ،قرآن وعترت پبلی کیشنز،بلاک نمبر ۳۰۔

۱۰۔ دلبر حسین مولائی (اپریل ۲۰۰۶ء) لمحہ لمحہ عبرت،ڈیرہ غازی خان،ہوتانی پرنٹنگ پریس۔

۱۱۔ رشید احمد قیصرانی (مترجم)(۲۰۰۲ء)ایران 1845ء،ایران 1885ء(دوسفر نامے)،ملتان،بیکن بکس،گلگشت۔

۱۲۔ سکندر خان بلوچ،لیفٹیننٹ کرنل (ر)(۲۰۰۷ء) سولجر نامہ،لاہور،سنگ میل پبلی کیشنز ۲۵ شاہراہ پاکستان،لوئر مال،۔

۱۳۔ شاہ محمد مری (اکتوبر ۲۰۰۷ء) چین آشنائی،لاہور،،سانجھ،مفتی بلڈنگ ۱۷/۱۳ ٹیمپل روڈ۔

۱۴۔ شاہ محمد مری،ڈاکٹر (۲۰۰۴ء) سورج کا شہر ،مستونگ،نادر ٹریڈرز،مسجد روڈ۔

۱۵۔ شاہد راحیل خان (۲۰۱۰ء) قدم قدم سوئے حرم، لاہور، بیکن بکس، غزنی سٹریٹ، اردو بازار۔

۱۶۔ عباس برمانی (براہمانی)، ڈاکٹر (۲۰۰۵ء) ایورسٹ کے دیس میں، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۵ شاہ راہ پاکستان، لوئر مال۔

۱۷۔ عباس برمانی (براہمانیؒ)، ڈاکٹر (۲۰۰۵ء) برف دریاؤں کے سفر، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۵ شاہ راہ پاکستان، لوئر مال۔

۱۸ عباس برمانی (براہمانی)، ڈاکٹر (۲۰۰۸ء) طلسماتی وادیاں، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۵ شاہ راہ پاکستان، لوئر مال۔

۱۹۔ عباس برمانی (براہمانی)، ڈاکٹر (۲۰۰۰ء) کیلاش کتھا، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۵ شاہ راہ پاکستان، لوئر مال۔

۲۰۔ عباس برمانی (براہمانی)، ڈاکٹر (۲۰۰۱ء) میرا سندھو سائیں، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۵ شاہ راہ پاکستان، لوئر مال۔

۲۱۔ عبدالعزیز بلوچ، پروفیسر (اپریل ۲۰۰۲ء) بحیرہ کیسپین کے کنارے (سفر نامۂ ایران)، ملتان، البرکت پبلشرز بہ اشتراک بیکن بکس۔

۲۲۔ عبدالعزیز بلوچ، پروفیسر (۲۰۱۰ء؟) سفر نامۂ ایران، ملتان۔ (بحوالہ: حفیظ الرحمٰن خان (۲۳ نومبر ۲۰۱۰ء) ''گدڑی پوش عبدالعزیز بلوچ کا سفر نامہ ایران''، روز نامہ نوائے وقت ملتان)۔

۲۳۔ عبدالقادر احمدانی لغاری، پروفیسر (۱۹۹۶ء) دجلہ کے کنارے، ڈیرہ غازی خان، سلیمان اکیڈمی۔

۲۴۔ غلام فرید قیصرانی، پروفیسر الحاج (۲۰۱۰ء) حج بیت اللہ، مٹھاون، تونسہ شریف، ڈیرہ غازی خان۔

۲۵۔ نعیمہ جمالی (۱۹۸۱ء) سپنوں کا بھنور، حیدرآباد سندھ، باکھ پبلشرز، ٹنڈو آغا۔

۲۶۔ کریم بخش چنگوانی، ڈاکٹر (مارچ ۲۰۰۲ء) بلتستان سے چولستان تک طبع دوم، لاہور، دارالکتاب، عزیز مارکیٹ، اردو بازار۔

۲۷۔ نور خان محمد حسنی (۲۰۰۲ء) فارس کا سفر، کوئٹہ، قلات پبلشرز اینڈ بک سیلرز، رستم جی لین، جناح روڈ۔

۲۸۔ نور خان محمد حسنی (۲۰۰۰ء) ہمہ یاران بہشت، کوئٹہ، براہوئی ادبی سوسائٹی پاکستان۔ (بہ حوالہ: روزنامہ نوائے وقت، ملتان، ۱۸ جولائی ۲۰۱۱ء)۔

۲۹۔ اللہ بخش قیصرانی، استاذ (۱۹۸۳ء) عزمِ حرم یا سفر نامہ حج (قلمی)، مٹھاون، ٹرائبل ایریا، ڈیرہ غازی خان۔

۳۰۔ محمد شیر کوہ قیصرانی (۲۰۰۷ء) سفر نامہ بلوچستان تا کیوبا (قلمی)، چُھکھیں زام۔ چتروٹہ، ٹرائبل ایریا، ڈیرہ غازی خان۔